

غالب کا ایک مشاق شاگرد

بالمکتوب دیے صبر
(حیات اور انتخاب تصانیف)

کالی داس گیتارضا

ساکارت پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، ممبئی

غالب کا ایک مشاق شاعر

بالمکتوب لکھے
(حیات اور انتخاب تصانیف)

کالی داس گیتارضا

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شاعری و ادب
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ویس ایپ

مہراں حق : 03478848884

سورہ طاہر : 03340120123

حشیں سیالوی : 03056406067

سکات پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ بمبئی

پہلا ایڈیشن	:	۱۹۹۲ء
مصنف	:	کالی واس گیتار تھا
پبلشرز	:	ساکار پبلشرز پرائی وٹ لمیٹڈ
	:	جولائی ۱۹۹۲ء
	:	۱۰ اینورمرن لائنز
	:	بیبی ۲۰۰۰
پرنٹر	:	مٹی پرنٹ: بیبی ۸۰۰۰
قیمت	:	۹۰ روپے
تعداد	:	پانچ سو

Hasnain Sialvi

ڈاکٹر محنت سار الدین احمد
کے نام

فہرست

۳۴ ص	انتساب
۵ ص	احوال و آثارِ بے صبر
۳۱ ص	تلامذہ بے صبر
۳۶ ص	بے صبر اور تلمذِ غالب
۳۷ ص	مثنوی لختِ جگر
۶۱ ص	مثنوی اخگرِ عشق
۶۶ ص	رسالہ بدیع البدر
۱۰۱ ص	توقیتِ بے صبر
	کلیاتِ بے صبر
۱۰۳ ص	دکوائف اور انتخابِ غزلیات
تا	
۱۴۰ ص	

احوال و آثارِ بے صبر

بے صبر کا کچھ حال مثنوی لختِ جگر (سالِ تکمیل پہلی روایت ۱۸۳۷ء، دوسری روایت ۱۸۵۹ء)، رسالہ بدیع البدایع (سالِ تکمیل ۱۸۷۰ء) اور کلیاتِ بے صبر (قلمی) سے، ان کی اپنی زبانِ سننے

مرا سالِ ولادت بہت دوری میں
جو کوئی صورت و معنی میں پاوے
تو کروے قافیہ کو دورِ تا ہاتھ
ہزار دہشتِ صدِ شست و نہ آوے

ولادت

۱۸۶۹ بکری

۱۔ رسالہ بدیع البدایع - ص ۴۴ - (۱۸۶۹ بکری = ۱۲ مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۸۱۳ء عیسوی
= ۲۹ صفر ۱۲۲۷ء تا ۲۸ ربیع الاول ۱۲۲۸ء ہجری)

(۱۱)

ہے بال ممکن نام رنجور
 بے صبر تخلص اپنا مشہور
 کا یہ ہے ہوں قوم کا میں ناشاد
 ہے میرا وطن سکندر آباد
 دلی سے دو آب میں سوے شرق
 ہے بین کردہ کا اُسے فرق

نام
تخلص
قوم
سکونت
تعلیم
استاد
تصانیف

(۲)

بندہ نیازمند بال ممکن۔ المتخلص بہ بے صبر، قوم کا یہ ہے
 رہنے والا قصبہ سکندر آباد علاقہ ضلع بلند شہر کا عرض
 کرتا ہے کہ بعد تحصیل علوم درسی و رسمی کے مجھ کو شوق
 انشا پر دازی و سخن طرازی کا دامنگیر حال ہوا۔ اور
 زالفے ادب خدمت حضرت استاد مولانا مرزا
 اسد اللہ خان صاحب غالت دہلوی میں طے
 [تہہ] کر کے مدقون خون جگر کھایا اور مشق سخن
 کو صاف کر کے سرمایہ دو دیوان اور تین مثنوی
 کا زبان اردو سے معلیٰ میں اور ایک دیوان
 فارسی بہم پہنچایا۔

چند
اولین
قطعہ
تاریخ

(۱)
قطعہ تاریخ وفات شولعل طبیب سکندر آبادی

میسع عمرو فلاحون عہد خود شولعل
چواز قضاے الہی شدہ بہشت نصیب
پنکر سال وفاتش ولم ترود داشت
نداز غیب برآمد "طیب بود غریب"

۱۲۴۷ھ

(۲) ایضاً رباعی
بے صبر چواز جهان شد آن یار قدیم در شہر و دیار گشت اندوہ عظیم
دل از سر و سواس بتاریخش گفت ہیہات چواں بر و شولعل حکیم

۱۲۴۷ھ = ۱۲۴۱ + ۶

(۳)
قطعہ مولد پسر شادی لعل

ہوا چو طفل تولد بساعت مسعود بلند تخت مبارک قدم نجستہ لقا
جب اس سے سال ولادت طلب کیا بے صبر تو مجھ سے دل نے کہا "نوتہال باغ لقا"

۱۲۴۸ھ

لے کلیات بے صبر (قلی) - ۱۲۴۷ھ = ۱۸۳۱ء = ۱۸۸۷ء - ۱۸ سال
لے " (قلی) - ۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۲ء = ۱۸۸۸ء - ۱۹ سال

(۴)

قطعہ تارتخ مولد پسر منشی جہانگیری اصل

پسرے خوش قدم و خوش طالع چوں بوقت سحر آمد بوقوع
گفت بے صبر بسال عیسی شدہ خورشید جہانگیر طلوع

۱۸۳۳ء

لحنت جگر اس نے نام پایا

۱۲۵۳ھ

نام و سن اختتام پایا
فکر سن عیسوی جو آیا
بالغ خرد اس کا سال پایا

۱۸۳۴ء

سال تکمیل مشنوی
لحنت جگر
روایت اول

ہے میرا (ایک) چھوٹا بھائی
اس کو جو یہ بول چال بھائی
تارتخ کا کر کے فکر فی الحال
مرغوبہ کہا کہ اس کا ہے سال

۱۲۵۳ھ

چھوٹے بھائی
نے بھی تارتخ
کہی

۱۔ کلیات بے قبر قلمی۔ (۱۸۳۳ء = ۱۸۸۹ء = ۱۲۴۹ھ)۔ پیر ۲۲ سال

۲۔ مشنوی لحنت جگر (مطبوعہ ص ۹) پیر ۲۲ سال

۳۔ مشنوی لحنت جگر (مطبوعہ ص ۱۴۲) اگر بھائی دو سال چھوٹے تھے تو گویا ابھتوں تے
ما ۲۵ سال کی عمر میں نکالا۔

میں سلاؤ کشن سُرُوپ کے وقت
تھا میں نے خودی سے سرمست
تھے ظاہری معنوی میں ہمیری
سن ایک ہزار و دو صد و شصت

۱۲۶۰ھ

دوہرے بیٹے
کشن سُرُوپ
سال ولادت

خدا کے فضل سے برہما سُرُوپ میرا پسر
ہوا بساعت فرخندہ جس زماں پیدا
یہ آئی غیب سے آواز سال ہندی میں
پسر یہ واہ ہوا فخر خاندان پیدا

۱۹۰۳ء

غیر سے بیٹے
برہما سُرُوپ
سال ولادت

فرزند چار میں جو سن داد کردگار
ہر دم زوید نش دل من شاد مے شود
بے قصہ بچوں بظاہری معنوی شمر
سال ہزار و دو صد و ہفتادے شود

۱۲۷۰ھ

چوتھے بیٹے
بہنی سُرُوپ کا
سال ولادت

۱۔ کیا تیرے قبر (قلمی)۔ (۱۲۶۰ھ = ۱۸۶۸ء = ۱۹۰۰ء) ۱۹۰۰ء ۱۸۶۸ء ۱۸۵۳ء

۲۔ ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء ۱۸۶۸ء

۳۔ کیا تیرے قبر (قلمی) اور سال بدیع البدایع ص ۳۲۔ ۱۲۷۰ھ = ۱۸۵۳ء

۱۹۰۰ء ۱۸۶۸ء ۱۸۵۳ء

اصلاح دیوان
بے قصیر
از غالب

جب حضرت غالب نے دی اصلاح اس دیوان کو
بے قصیر کامل ہو گئی اور معتبر میرا سخن
بعد از سر اصلاح ہیں اب ظاہری و معنوی
سال ہزار و دو صد و ہفتاد و چارے جان من

(۱۲۴۵-۱) = ۱۲۴۴ھ

تاریخ مشنوی
انگیز عشق

جس کا سن لالہ پر داغ ملا
۱۲۴۳ھ
پر وہ لالہ بسرباغ ملا
۲

۱۲۴۵ھ = ۲ + ۱۲۴۳

مشنوی
لخت جگر
روایت ثانی

آج جو یہ سال سال مسعود
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے
آراستہ کر دیا اب اس کو
غالب کی نگاہ سے گذر کر
بارہ سو پڑ پخترا فزود
ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
پیراستہ کر دیا اب اس کو
بے عیب یہ ہو گئی سراسر

۱۲۴۵

۱۲۵۳

ترمیم کا سن "زبے میرا بخت"

تصنیف کا سال تھا "لخت جگر"

۱ کلیات بے قصیر (قلمی)۔ (۱۲۴۴ھ = ۱۸۵۸ء = ۱۹۱۴ء) بعمر ۴۵ سال
۲ رسالہ بدیع البدایع ص ۳۲۔ (۱۲۴۵ھ = ۱۸۵۹ء = ۱۹۱۵ء) بعمر ۴۶ سال
۳ مشنوی لخت جگر (مطبوعہ ص ۱۰)

جکٹے میں

ہر روپ کا

سال وفات

مر گیا جب زخموں سے کاہل ہر مرد
ہر طرف تھا اس کے غم میں شور و غوغا ہائے
سب تارکِ وفات میں کا دل بے مہر نے
سن مجھ میں کہا ہے ہے دریا دلے دے

۱۲۷۹ھ

ایضاً

رنجست ہو اجمال سے جب ہلے ہر مرد
ہم میں اس کے سب و ہوا رخ اور تعب
بے مہر مجھ کو سن کر تھی سب وفات کی
جیسی نے دی یہ کہ ہائے کیا غضب

۱۸۶۲ء

نرے بے مہر

ہر روپ کا

سال وفات

نیر و میرے جب بے قبر پیدا
ہو وقت سعید و ساعت نیک
عدو کا جو قہر مہرے دریاں ہیں
بدگو و دوسرے دوستا دور ایک

۱۲۷۷ھ

یعنی ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۱ھ

۱۔ بیت بے مہر قلمی ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۱ھ ہر سال بیت بے مہر قلمی کا قلمی

۲۔ بیت بے مہر قلمی ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۱ھ ہر سال

۳۔ قلیات بے مہر قلمی

۴۔ ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۱ھ ہر سال

تاریخ وفات
مرزا غالب
استاد بے صبر

ہمساں میرزا غالب اوستاد من
بجاں آفریں جہاں چو آخر سپرد
بیر سیدم از دل سن رحتش
بنالید و گفت آہ غالب بمرد

۱۲۸۵ھ

ایضاً

اسد الشخاں وہ غالب آہ
جس سے اہل کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوے خلد ہوئے
سخن ان کے الم میں سینہ کو ب
اس سپر سخن کے اختصار کا
مجھ کو سال غروب تھا مطلوب
کہا عیسیٰ نے از سر حشرت
ہوا حیف آفتاب ہند غروب

۱۸۶۱ء

۱۸۶۱ + ۸ = ۱۸۶۹ء

تکمیل رسالہ
بیع البدایح

آخر کا بیع سال ہزار و ہند و بہشت شش ہندی مطابق ہزار و
دو صد و بہشتا و شش ہجری موافق سن ہزار و بہشت صد و
بہشتا و عیسوی کے کہ یہ قطعہ مجر تاریخ اوسکا ہے قطوعہ تعمیہ

سال وفات اس کا جو بے قبر تہ
عالم فانی سے ہو بیدار وہ ماہ

لو چھے ہے سمیت میں کہ کب کیا ہوا
چھپ گیا ہے ہے یہ غضب کیا ہوا

۱۹۳۱-۱ = ۱۹۳۰ ب

ازیر افسوس سن عیسوی
سال وفات اس کا بے بحری میت

ہے ہی یہ شور و غضب کیا ہوا
وے گیا غم حیف سبب کیا ہوا

۱۸۷۲ = ۱۸۷۳ ع

۱۲۹۰ھ

سال وفات
مرزا
ہرگوپال تفتہ

یہ راہ سخن رفتہ رفتہ بمرودہ
چوتھتہ کہ بدشاہ فارسی گو
چو سال وفاتش بے قبر جستم

تو گوں کہ ماہ دو ہفتہ بمرودہ
شبستان شعر و سخن گشتہ بمرودہ
بفرمود بس حیف تفتہ بمرودہ

۱۲۹۶ھ

ان اقتباسات کو مربوط کر کے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ کچھ یوں ہوگا۔
”میں بال مکند التخلص بے قبر، قوم کا لیستہ، قصبہ سکندر آباد علاقہ
بلند شہر کار بنے والا ہوں۔ سکندر آباد دلی سے مشرق کی طرف دو آب
میں۔ میں کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ میری ولادت ۱۸۶۹ بکری میں
ہوئی۔ درسی اور رسمی علوم حاصل کر لینے کے بعد مجھ کو انشاء پر دازی

کلیات بے قبر قلمی، عمر ۶۰ سال

کلیات بے قبر قلمی، (۱۲۹۶ھ = ۱۸۸۰ء = ۱۹۳۶ء)۔ عمر ۵۷ سال۔ چوتھا مصریوں ہوگا۔
”شبستان اشعار گشتہ بمرودہ“۔ اشعار کی جد غلطی سے شعر و سخن بکھا گیا۔

اور سخن طرازی کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے تلامذہ میں شامل ہو گیا اور مدت دراز تک اُن سے اصلاح لیتا رہا۔ اس مشق سخن کے نتیجے میں ۱۸۷۰ء تک دو دیوان اور تین مثنویاں اردو میں اور ایک دیوان فارسی میں جمع کر لیے۔ ضخیم مثنوی لخت جگر (پہلی روایت) میں نے چوبیس پچیس سال کی عمر تک کہہ لی تھی۔ ظاہر ہے کہ مشق سخن اس سے بھی پہلے کی ہے جو میرے اولین قطعہ ہائے تاریخ سے ظاہر ہے۔

میرے ایک چھوٹے بھائی کو بھی شعرو شاعری سے رغبت ہے۔ چنانچہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں جب پہلی بار مثنوی لخت جگر مکمل ہوئی تو اس نے بھی ایک لفظی مادہ بہم پہنچایا تھا یعنی "مرغوبہ"۔ میرا دوسرا بیٹا کشتن سروپ ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوا، تیسرا بیٹا برہما سروپ ۱۹۰۴ء [بڑے بیٹے برہما سروپ کا سال ولادت یاد نہیں۔ سال وفات حسرت آیات آگے آٹے گا] اور چوتھا بیٹا بینی سروپ ۱۲۷۰ھ میں۔

میں نے اپنا پہلا دیوان پورا کا پورا استاد محترم حضرت غالب کو دکھایا تھا۔ یہ ۱۲۷۴ھ کی بات ہے۔ ۱۲۷۵ھ میں میں نے دوسری مثنوی لکھ کر عشق مکمل کی اور اسی سال مثنوی لخت جگر کو جو ۲۲ سال پہلے کہی جا چکی تھی پھر سے ترمیم کیا، اور استاد محترم حضرت غالب کی نظر سے گزار کر تسلی کر لی۔ چنانچہ پہلے اس کا سال تصنیف لخت جگر یا "جگر لخت" (۱۲۵۳ھ) تھا اور اب "زب سے میرا لخت" (۱۲۷۵ھ) ہو گیا۔

چند سال بعد نوجوانی میں میرا لڑکا ہر سروپ جہان فانی سے

رخصت ہوا۔ ہجری سنہ ۱۲۷۹ تھا اور عیسوی ۱۸۶۲ء۔ چار سال بعد ۱۲۸۱ھ میں میرا پوتا رام چندر سروپ پیدا ہوا۔ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں استاذی غالب کا انتقال کیا ہوا گویا ہندوستان کا آفتاب شاعری غروب ہو گیا۔ خود شعر ماتم میں سینہ کو ب نظر آتا تھا۔ (۱۹۲۶ء = ۱۲۸۶ھ = ۱۸۷۰ء) میں رسالہ بدیع البدایع کی تکمیل ہوئی۔ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں مشنوی لخت جگر چھپ کر تیار ہوئی۔ دو سال بعد سب سے چھوٹا یعنی پونٹھا بیٹا بیٹی سروپ سورگ بائش ہو گیا۔ سال وفات سمیت ۱۹۳۰ عیسوی ۱۸۷۳ اور ہجری ۱۲۹۰ تھا۔ ۱۲۹۶ھ میں مشہور فارسی گو شاعر منشی ہر گول تفتہ انتقال کر گئے یہ گویا تفتہ کی نہیں آسمان شاعری کے ماہ دو ہفتہ کی موت تھی۔ اس کے علاوہ صرف تین ماخذ ہی ایسے ہیں جو بے خبر کی زندگی میں لکھے گئے۔

اول تذکرہ ناورد (دیوان عزیز - ۱۸۶۶ء) جس سے صرف یہ اطلاع ملتی ہے کہ بے خبر، ہر گویا تفتہ کے شاگرد رہے تھے۔

”بے خبر۔ لالہ بال مکند متوطن سکندر آباد ضلع
بلند شہر خلف لالہ کاجی مل شاگرد لالہ ہر گویا تفتہ
دیباغ شعور ج میں ۷“

جیسا کہ بے خبر کے شاگرد سندھ پر شاد مجنوں کے سہروں سے ظاہر ہے۔ ہر سروپ کی شادی ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں شادیاں گوتھوٹی عمر ہی میں ہو جاتی تھیں تاہم خیال ہے کہ انتقال کے وقت عمر ۲۰ سال سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح سال ولادت ۱۸۴۲ء قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوم تذکرہ سخن شعرا از نساخ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ
بیشتر فارسی کہتے ہیں۔

”بے صبر تخلص بال مکند ولد لالہ کا بنی مل باشندہ
مسکند آباد شاگرد ہرگوپال تفتہ۔ بیشتر فارسی کہتے ہیں
”کلام میں صرف اردو کا ایک شعر درج ہے“

سوم تذکرہ معیار الشعراء ہنود از بشاش۔ اگرچہ اس تذکرے
کی طباعت، بے صبر کے انتقال کے چند ماہ بعد
(ستمبر ۱۸۸۵ء) میں شروع ہوئی تھی تاہم بے صبر
کے ترجمے کا متن بے صبر کی زندگی ہی میں مرتب
ہو چکا تھا۔ بلکہ بیشتر بے صبر ہی نے فراہم کیا تھا :
”بے صبر تخلص منشی بال مکند ولد اسے کا پتہ سنگھ
کا تہ بھٹنا گرسکندر آباد ضلع بلند شہر۔ اب عمر قریب
ستتر برس کے ہے۔ پندرہ برس کے سن سے اب تک
شعر کہتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں مرزا غالب کے
شاگرد ہیں۔“

صاحب دیوان اور تصنیفات متعدد جن کی تفصیل
تذکرہ معیار الشعراء ہنود میں کہ جہاں فارسی کلام

۱۔ نادر اور نساخ دونوں نے بے صبر کے والد کا نام لالہ کا بنی مل لکھا ہے۔ بے صبر کے والد
کا نام مائے کا پتہ سنگھ ہی تھا، مگر ہو سکتا ہے کہ انہیں لالہ کا بنی مل کے نام سے
بھی پکارا جاتا ہو۔

۲۔ تذکرہ معیار الشعراء ہنود طبع نہیں ہوا۔ میں نے مخطوطے کی اطلاع ملتے ہی دو ایک
جگہ سے تلاش بھی کیا مگر دستیاب نہیں ہوا۔ شاید کبھی ہاتھ لگ جائے۔ فی الحال
موجود سمجھا جائے۔

ان کا درجہ ہوا ہے، قلم بند ہو چکے ہیں۔ ابرس کی عمر
 سے، ابرس تک مناصب داروغہ کی، منشی گری وغیرہ
 سرکار انگریزی پر مامور رہا۔ اب پنشن دار ہیں،
 اور بڑے نوکر چاکر ہیں۔ سوائے علم رسمی فارسی
 عربی اور کچھ سنسکرت کے بلکہ فن شاعری و علم الہی
 و تاریخ و جغرافیہ و نجوم و منطق و مذاہب سے خیلے
 واقف ہیں، مذہب خدا پرستی موحدانہ رکھتے ہیں،
 اور ذوق، موہن، غالب، تفتہ اور شیفتہ وغیرہ
 شعرائے نامی کے ہم عصر اور ہم مشاعرہ ہیں۔ راقم تذکرہ
 سے بھی خط و کتابت ہے اور مندرجہ ذیل کلام خود
 ان کا اس تذکرہ کے لیے بھیجا ہوا ہے اور حق یہ ہے
 کہ ہماری قوم میں غنیمت ہیں اور قابل افتخار
 چونکہ بیشتر کلام آخر میں انتخاب کلام کے تحت
 درج کیا جا رہا ہے۔ اس لیے یہاں سے حذف کیا
 جاتا ہے۔ رضا۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب تک کچھ بھیجا گیا ہے۔ اس کے یا تو خود
 بے صبر راوی ہیں یا پھر وہ وگ راوی ہیں جو بے صبر کے ہم عصر تھے اور جو کچھ وہ
 ضبط تحریر میں لائے بے صبر کو اس سب کی خبر تھی۔ بشاش صاحب تذکرہ
 آثار الشعراء ہنود کی تو بے صبر سے براہ راست خط و کتابت تھی۔ افسوس
 کہ بشاش کا فارسی گوئیوں کا تذکرہ معیار الشعراء ہنود دستیاب نہیں
 ورنہ بے صبر کی تصانیف کا مفصل احوال اس سے معلوم ہو سکتا تھا۔
 اب بے صبر کے کچھ سوانح نگاروں سے اخذ کیا ہوا مواد پیش کیا جاتا ہے۔

ب سے پہلے ان کے بیٹے برہما سُرُوپ کا بیان ملاحظہ فرمائیے
 جب ۱۹۴۲ء میں آخر کار رسالہ بدیع البدایع چھپا، اس وقت بے صبر
 کا انتقال ہو چکا تھا۔ انتقال کا حال اور کچھ ضروری کوائف رسالہ بدیع البدایع
 کے سرورق کی پشت پر لکھی "سوانح عمری مصنف" سے کھلتے ہیں جو بے صبر کے
 دوسرے بیٹے برہما سُرُوپ نے چھپوائی تھی۔

”سوانح عمری مصنف“

..... مصنف اس رسالہ موسومہ بدیع البدایع کے جناب منشی
 بال مکند صاحب المتخلص بے صبر (ساکن) سکندر آباد ضلع بلندشہر
 ہیں۔ ۱۸۱۰ء میں بمقام سکندر آباد پیدا ہوئے اور پچھتر برس
 کی عمر میں ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء شیوراتری کو بمقام میرٹھ رحلت
 فرمائی۔ جناب والائے ذہن رسا اندہم ذکا کی وجہ سے سولہ
 برس کی عمر میں فارسی عربی میں لیاقت کامل حاصل کی، اور
 علوم ریاضی و نجوم ہیئت منطق اور ویدانت صوفیت میں بھی
 دستگاہ بہم پہونچائی۔ بوجہ موزونیت طبیعت خداداد اور
 بصیرت مرزا منشی ہرگوپال تفتہ کہ ماموں جناب موصوف کے
 تھے شوق شعر و سخن کا دامگیر ہوا۔ اور بعد اجتماع سخن آخر کو
 زانوے ادب بخدمت نواب اسد اللہ خاں صاحب مرزا نوشہ
 غالب دہلوی کی تہہ کیا۔ دس کتابیں تالیف و تصنیف فرمائیں
 ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت ضایع بدایع معنی و

مماوردہ چو چلہ بول چال روزمرہ کنایہ و اشارہ تلاش و بندش
قابل ملاحظہ ہے۔ کیوں نہ ہو؟ بچپن برس کی مشق سخن ہے، اور
حضرت غالب کے شاگرد رشید میں۔ مجھ کو کہ فرزند ان موصوف
سے ہوں، تعلیٰ اور غلو زیب نہیں، البتہ بعد مرزا غالب اور مرزا
تفتہ کے حضرت بے صبر کا دم غنیمت تھا کہ وہ بھی اس
دار فانی سے راہی عالم بقا ہوئے۔ افسوس صد افسوس۔

روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش	زادے را خرقہ گرد دیا ستوئے رارسن
ماہ بابا بد کہ تا گردون گردان یک شے	عاشقے را بول بخشہ دیا غریبے را وطن
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب	لعل گردود در بدخشان یا عتیق اندر کین
قرنہا باید کہ تا یک کوہ کے از راہ فہم	عارفے کامل بود یا شاعر شیرین سخن

تفصیل تالیفات بے صبر مولف رسالہ ہذا

- ۱۔ دیوان اول اردو موسم بہ دیوان عام اس میں غزلیا، رباعیا قطعاً وغیرہ درج ہیں غنیر طبع ہوگا
- ۲۔ دیوان دوم اردو موسم بہ دیوان خاص اس میں صرف غزلیات ہیں چھپنے کو باقی ہے
- ۳۔ دیوان فارسی اس میں کل کلاں فارسی غزلیا و قطعاً و نظمیں دیوان باہیات،
- ۴۔ دیوان قصائد اردو اس میں ۴۵ قصیدے اور ترکیب بند و ترجیع بند درج ہیں
- ۵۔ شنوی لخت جگر ایک پر فصاحت شنوی دید ہے نہ شبنم ہے
- ۶۔ شنوی اخگر عشق در حقیقت یہ شنوی اسم بامسمیٰ اخگر ہے
- ۷۔ سراپا سخن تصنیف بطرز جدید۔ یادگار فرزند ان میں نوجوہ سراپا قابل داد ہے
- ۸۔ رسالہ بدیع البدیع ہذا اس میں بیان علم صنایع و بدایع کلہ ہے

- ۹۔ رسالہ ادیب النبات پیشتر اور تہذیب اخلاق اور تعلیم نسوان کے لیے قابلِ رواج مدرسہ زیر طبع ہے
۱۰۔ گلستان ہند نثر اردو میں شیعہ گلستان سعدی اس میں ۵ باب ہیں

السَّعْدِ

نیاز مند سری برہما سر وپ پسر خور دھنت

رسالہ بدیع البدایع ہی کے صفحہ ۴۴ پر بے صبر کے بڑے بیٹے (بعد از ہر سر وپ
مرحوم) منشی کرشن چندر سر وپ صاحب منیر کا کہا ہوا قطعہ تاریخ وفات قبلہ و کعبہ
والد بزرگوار جناب منشی بال مکند صاحب بے صبر تخلص سکندر آبادی "دست
چھوڑیوں ہے۔

بے صبر حوں ز عالم فانی بخل رفت	عالم بچشم اہل بصیرت سیاہ شد
بازم پیرس حال دل بے قرار من	دور از سرم چو سایہ آن قبلہ گاہ شد
لئے سایہ سعادت ازلی، کجا شدی	بازا کہ حال منشیات تباہ شد
باٹے بگو کہ تاچہ گنہ دیدہ ز من	لے دیدہ ام بجا کہ ہست فرشِ اہ شد
سال وفات تو ز کم پرسم کہ بعد تو	ایں سلسلہ گستہ چو متروک راہ شد
چوں فکر سال ناختم اندر جب گھر خلیہ	از زمین و برکت سونے غنیم نگاہ شد
بافت بگفت ترک یہ کردہ بسال ہند	بستہ در سخن چو فتانی اللہ شد = ۱۹۴۱ اب
اعدادِ حرفِ اولین ابیات کن شمار	سن شریف وان کر چہ شام دیکھاہ شد

۱۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے کو "بستہ در سخن چو فتانی اللہ شد" پڑھنا چاہیے۔ یہاں
اللہ = الہ = ۳۶ شمار کر کے مصرعے کے عدد ۱۹۵۱ برآمد ہوں گے۔ اس میں سے دو = ۱۰
نکال کر ۱۹۴۱ بکری مستخرج ہوگا ۱۹۴۱ اب = ۱۸۸۵

یہاں فرزندِ ان بے صبر سہری کرشن چندر سہروپ اور سہری برہما سہروپ نے لوگوں کو تو مغالطے میں رکھا ہی تھا لیکن وہ خود بھی غلطی کا شکار ہے۔ بے صبر کی عمر ۷۷ سال بحساب سنہ ہجری نہ کہ بحساب سمیت و عیسوی۔ ہجری سنہ کے حساب سے عمر ۷۲ سال ہوتی ہے۔ بے صبر نے خود لکھا ہے کہ ان کا سال ولادت ۱۸۶۹ء ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ ۱۹۴۱ء میں بروز شہورِ تری سورگباش ہوئے۔ اس طرح عمر ۷۲ سال سے کچھ زیادہ ہوئی سال وفات ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء مطابق ہے ۷ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کے۔ اگر ۱۳۰۲ھ سے ۷۷ سال نکال دیئے جائیں تو ۱۳۲۷ھ ہوتے ہیں جو برابر ہے ۱۶ جنوری ۱۸۱۲ء تا ۴ جنوری ۱۸۱۳ء کے۔ اور ۱۸۶۹ء = ۱۳ مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۹۱۳ء کو یا یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ ہجری اور عیسوی سنین کی رو سے عمر ۷۲ سال سے اوپر ہوگی۔ اب سال ولادت اور وفات یہ ہوں گے۔

ہجری ولادت ۱۸۶۹ء وفات ۱۹۴۱ء = عمر ۷۲ تا ۷۳ سال
عیسوی ۱۸۶۹/۷۰ = عمر ایضاً
ہجری ۱۲۲۷ = عمر ۷۵ سال
سہری برہما سہروپ پسر بے صبر کا ۱۹۱۵ء سے ۷۷ سال ہجری متہا کر کے ۱۸۱۰ سال ولادت برآمد کرنا قطعاً غلط ہے۔

تصانیف بے صبر

”سوانح عمری مصنف“ مرتبہ برہما سہروپ پسر بے صبر میں بے صبر کی

بے صبر کے بیٹوں اور پوتوں کے نام سے پہلے سہری لکھنے سے نام مکمل ہوتا ہے مگر ناموں کے ساتھ کہیں یہ لفظ لکھا گیا ہے اور کہیں نہیں لکھا گیا۔ اس لیے سہری برہما سہروپ بھی درست ہے اور صرف برہما سہروپ بھی۔

دس تصانیف کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس فہرست سے ظاہر ہے کہ دس میں سے صرف چار تصانیف طبع ہو سکیں۔ اتفاق سے ان میں سے دو یعنی "مثنوی لخت جگر" اور رسالہ "بدیع البدایع" میرے کتب خانے میں موجود ہیں اور بہت اچھی حالت میں ہیں۔ مثنوی انجمن عشق (مطبوعہ) کا آج تک کوئی سراغ نہیں مل سکا اور یہی حال "سراپا سخن" کا ہے۔ چار غیر مطبوعہ تصانیف دیوان اول اردو، دیوان دوم اردو، دیوان فارسی اور دیوان قصائد اردو اب شاید اصل شکل میں موجود نہیں مگر کافی حد تک ان کی نشاندہی کلیات بے صبر (غیر مطبوعہ) میں کی جاسکتی ہے۔ بے صبر کے وارثوں کے پاس بھی بے صبر کے کلام کے مسودے موجود ہیں۔ باقی ماندہ دو تصانیف "ادیب النبات" اور "گلستان ہند" جو نثر میں ہیں، کے مسودے بھی ان کے یہاں محفوظ ہیں۔

یہاں ایک مضمون سے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جو بعنوان "منشی بال مکند راے بے صبر" نیا دور لکھنؤ کے ستمبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اس کے مصنف جناب ہری کرشن راز ہیں، جنہوں نے اسے بے صبر کے وارثوں سے حاصل شدہ معاونات کی بنا پر لکھا ہے۔ اس لیے اہم ہے۔ اس میں بے صبر کی بعض تصانیف کے کوائف بھی معلوم ہو جاتے ہیں جو کہیں اور بیان نہیں ہوئے۔

"منشی بال مکند نام تخلص بے صبر بمقام سکندر آباد ضلع بلند شہر (دہلی) سن ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہاں کے ایک متول بھٹنا گرو کا غتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے بزرگ دگال

کے رہنے والے تھے جو پنجاب میں واقع ہے۔ اسی رعایت سے آپ کی خاندانی ال دگالیہ ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ بے صبر کے بزرگ اپنے وطن دگال کو کس سلسلے میں خیر باد کہہ کر سکندر آباد میں آکر مقیم ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کا نام رائے کا نہہ سنگھ تھا۔ صبح یوم و تاریخ پیدائش کا پتہ نہ چل سکا۔ جناب بے صبر نے اپنی تصنیف ”بدیع البدایع“ میں اپنا سن پیدائش ذیل کے چار مصرعوں میں تحریر فرمایا ہے۔

مراسل ولادت ہندوی میں جو کوئی صورت معنی میں یاوے
تو کرے قلیے کو دور تا ہاتھ ہزار دہشت صد شصت نہ آوے
(سمت ۱۸۶۹ بکری)

روز پیدائش سے سن شعور تک بے صبر سکندر آباد میں رہے۔ خداداد فہم و فراست و قابلیت و ذہانت کی وجہ سے آپ نے پندرہ سال کی عمر میں عربی فارسی، نجوم، منطق اور علم تصوف میں کمال حاصل کیا۔ فارسی کے مشہور شاعر اور مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے مشہور شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ آپ کے ماموں تھے۔ بے صبر نے حضرت تفتہ سے علم عروض پڑھا اور شروع شروع میں سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ تفتہ کے فیض صحت اور اصلاح سے بے صبر نے شاعری میں دن دوئی رات چوگنی ترقی کی اور بالآخر ان ہی کی ایما سے بے صبر نے مرزا غالب کی شاگردی اختیار کی جس سے بے صبر

کے کلام کی وقعت اور بڑھ گئی.....
 سترہ سال کی عمر میں بے صبر سرکاری ملازمت میں محکمہ مرٹ
 میں داخل ہوئے لیکن کچھ عرصے بعد دل برداشتہ ہو کر مستعفی
 ہو گئے۔ پھر کلکٹری سہارن پور میں ملازم ہو گئے اور ۱۸۶۳ء میں
 پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے.....

۱۳ فروری ۱۸۸۵ء کو بروز شیوار تری اس دارِ ناپائیدار
 سے کوچ کیا۔ آخری عمر میں آپ شیواجی کی عبادت میں ہر وقت
 مصروف رہا کرتے تھے اور شیونتر کا ہر وقت جاپ کیا کرتے تھے
 شیومت کے عقائد کے موجب شیوار تری کے دن بے صبر کا
 انتقال فرمانا نہایت سعد تھا.....

حضرت بے صبر کے پس ماندگان میں دو صاحبزادے منشی
 کرشن سروپ منیر۔ بابو برہما سروپ اور سیر اور بابو رام چندر
 سروپ خلف منشی کرشن سروپ منیر تھے۔ مگر عرصہ ہوا کہ یہ
 تینوں صاحبان بھی قید حیات سے آزاد ہو چکے ہیں۔ آپ کے
 ورثاء میں سے اب بابو گردھر سروپ اور بابو جیوتی سروپ باقی
 ہیں۔ مضمون کا زیادہ تر مواد بابو گردھر سروپ سے حاصل ہوا۔
 انہوں نے راقم الحروف کو اخبار بھٹنا گرسما چار اور بے صبر کی

۱ ویریندر پرشاد سکسینہ یاد یونی، ہماری زبان کے ۸ دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں
 اضافہ کرتے ہیں کہ ”بے صبر نے محلہ فندق شہر میرٹھ میں ایک عالی شان مکان بنوایا تھا۔
 اسی مکان میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہ مکان آپ کے وارث اور پوتے جناب بابو گردھر
 سروپ کے قبضے میں ہے۔“

غزلوں اور قصیدوں کے مسودوں کے علاوہ ان کی تصنیف
ادیب البشات کا قلمی نسخہ عنایت فرمایا اسی سلسلے میں ان کے
بہت سے خاندانی حالات بھی بتائے۔ سکندر آباد ضلع بلند شہر
میں بابو من موہن دیال وگالہ، بابو بھجن لال وگالہ، منشی نرائن
سروپ۔ منشی کلیان سروپ، منشی آتما سروپ، بابو مہنگوان
سروپ اور دھول پور میں بابو کرشن سروپ جناب بے سہر کی
یادگار ہیں۔

حضرت بے سہر کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دیوان عام اردو (غیر مطبوعہ) جس میں غزلیں۔ رباعیاں و
قطع۔ ترجیع بند وغیرہ ہیں۔

۲۔ دیوان خاص اردو (غیر مطبوعہ) صرف غزلیات کا مجموعہ ہے۔

۳۔ دیوان فارسی (غیر مطبوعہ) منشی دیبی پرشاد بشارت نے اپنی

تصنیف تذکرۂ آثار الشعراء ہتود میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ دیوان قصائد اردو (غیر مطبوعہ) اس میں چوں قصیدے ہیں۔

ترکیب بند۔ ترجیع بند ہیں۔ اس کے اکثر صفحات ضائع ہو گئے

ہیں۔ قصائد نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۶ اور ۵۳ و ان کے ہند کی خدمت

میں روانہ کیے گئے تھے دیگر قصائد میں قصیدہ نمبر ۳۴ سدرہ توحید

میں، نمبر ۶ نوبہار ہندوستان کی تعریف میں، نمبر ۹ قدامت

روح کے بارے میں، نمبر ۱۱ معطل (جو بے نقطہ ہے)، نمبر ۱۶،

پرکالہ آتش حضرت غالب کی مدح میں، نمبر ۱۸ جناب آفتہ

کی تعریف میں، نمبر ۱۹ آرام جاں مہاراجہ بتارس کی تعریف

میں۔ نمبر ۲۱ دلپذیر مہاراجہ کشمیر کی مدح میں، نمبر ۲۲ حالات

ہجوم ہر دوار، نمبر ۲، بہار کی تعریف میں، نمبر ۲، نور علی نور
ملکہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی مدح میں، نمبر ۳، تیغ برہنہ مبارکباد
پر فتح، افغانستان، نمبر ۴، مبارکباد و یحضور لارڈ رین والٹر لے
ہند یہ موقع دربار منعقدہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۷ء اور نمبر ۵، دیبہ
تہنیت بر فتح مصر و مدح ملکہ وکٹوریہ ہے۔ قصائد مذکورہ بالا
سے جناب بے صبر کی قادر الکلامی اور علمی تبحر کا بخوبی اندازہ
ہو جاتا ہے۔

- ۵۔ مثنوی لخت جگر اردو (مطبوعہ ۱۸۷۷ء) اب نایاب ہے۔
- ۶۔ مثنوی انحر عشق اردو (مطبوعہ) اب یہ نایاب ہے۔
- ۷۔ سراپا سخن اردو (مطبوعہ فروری ۱۸۷۹ء) اس میں مصنف نے
اپنے دو فرزندوں منشی ہر سروپ اور منشی بینی سروپ کا سراپا
اور لوح لکھا ہے۔

۸۔ رسالہ ادیب البنات، اردو نشر (غیر مطبوعہ) اس کے دیباچے میں
بے صبر تحریر فرماتے ہیں :-

”میں نے ساری عمر اپنی شعروشاعری میں گزرائی اور خاک
اس گلی کی خوب چھانی۔ تین دیوان اور تین مثنویاں اردو
فارسی میں کہیں کہ وہ مجھ سے یادگار ہیں۔ لیکن کوئی
ایسی کتاب جو واسطے تعلیم طلباء مدارس دیسی اور سرکاری
کے مفید ہو۔ بہ سبب کم فہمی کام عہدہ نائب منشی یعنی
نائب سرشتہ داری ثانی محکمہ کلکٹری ضلع بلند شہر و بہار پور
تصنیف نہ کر سکا۔۔۔۔۔ نام اس کا ادیب البنات رکھا
ہے۔ اردو کے سیدھے سادھے اور سلیس اور صاف

محاورے میں بنائی۔ سال ۱۸۷۰ء میں مراد برائی۔ (۱) یہ کتاب بتاریخ: ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء بھنور جناب سکریٹری صاحب گورنمنٹ بغرض منظور کی روانہ ہوئی۔ (۲)۔

۹۔ گلستان ہند نثر اردو (غیر مطبوعہ) گلستان شیخ سعدی شیرازی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے یہ پانچ بابوں میں منقسم ہے اور ان ابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا باب	بادشاہوں اور امیروں کے ذکر میں — ۲۴ بیان
دوسرا باب	فقیروں کے بیان میں — ۱۷ بیان
تیسرا باب	حکیموں اور طبیبوں کے حال میں — ۱۶ بیان
چوتھا باب	شاعروں کے حال میں — ۱۸ بیان
پانچواں باب	نکات لطائف پنہ اور نصائح وغیرہ میں — ۴۵ بیان

بطور نمونہ چوتھے باب کی حکایت نمبر ۹ ذیل میں درج ہے :

”کہتے ہیں کہ عبد الرحیم خان خانان کی مجلس میں کسی شاعر نے شعر پڑھا۔ نواب صاحب کو پسند آیا، فرمایا بیچو تو مول لیتے ہیں اور شصت دینار قیمت دیتے ہیں۔ شاعر نے کہا کہ شصت کم است۔ کم کے عدد بھی ساتھ ہوتے ہیں، گویا دوشصت ہو گئے۔ نواب اس لطیفہ حسن الطلب سے خوش ہوا اور ایک سو بیس دینار دے کر خرید لیا اور خلعت اضافہ کیا۔ شعر

جو قدر رواں ہیں وہ کرتے ہیں قدر شاعر و شعر
ستم ہے گر کوئی دنیا میں قدر رواں نہ رہے

اس کتاب کا سن تصنیف ۱۸۷۱ء ہے ۔

۱۰۔ رسالہ بدیع البدایع اردو (مطبوعہ) یہ کتاب فن شاعری پر ہے..... علم عروض و مضامین بدایع کے شائقین کے لیے نہایت مفید چیز ہے۔ یہ کتاب ۱۸۷۰ء میں مطبع دبیر ہند بلند شہر میں طبع ہوئی۔ اب اس کی صرف ایک جلد بے صبر کے وارث بالو گردھڑ روپ صاحب کے پاس ہے اور بازار میں نہیں ملتی۔

ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک شخص اچھا شاعر اور اچھا نثر نگار دونوں ہو۔ جناب بے صبر اپنے زمانے کے معیار کے مطابق اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے اور نثر بھی۔ ان کی تصنیف رسالہ ادیب البنات جو اخلاقی تعلیم سے پر ہے ان کی اعلیٰ درجے کی نثر نویسی اور دل کش انداز تحریر کی شاہد ہے اس رسالے میں اول آپ ایک اخلاقی اصول کو لوح دل پر نقش فرماتے ہیں۔ ذیل میں رسالہ ادیب البنات سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔

رحم کی تعریف

”اصل کائنات کی خدا ہے اور خدا رسیدہ ہونا اپنی اصل کو پہنچنا ہے۔ خدا کی صفات میں سے ایک صفت رحم ہے۔ اس کو وہی جانتا ہے جس کو فہم ہے۔ خدا کا رحم عام ہے۔ رحم۔ رحیم۔ رحمن اسی کے نام ہیں۔ آدمی کا کمال یہی ہے کہ خدا اس کو ملے جب تک صفات الہی سے تھوڑی بہت صنعتیں بہم نہ پہنچا دے خدا کو نہ پاوے۔ پس لازم آیا کہ صفات حیوانی کو چھوڑ کر پہلے صفت انسانی کی طرف مائل ہوتا کہ صفت ربانی حاصل ہو۔ اس مقام سے رحم کے مرتبے کا خیال کرو اور رحم کرو تاکہ کمال

حاصل ہو۔ بے رحمی کی سزا خدا دیتا ہے۔ کمزور کا بدلہ
زور آؤد سے لیتا ہے۔ اس کا نمونہ بنیے اور نائی کے لڑکوں
کی کہانی ہے۔

بنیے اور نائی کے لڑکوں کی کہانی

ایک بنیے اور نائی کے دو لڑکے پانچ پانچ چھ چھ برس کے جو سر راہ
کھیلنے تھے، لڑ پڑے۔ بچے ہی تو تھے نہ جانے کس بات پر جھگڑ
پڑے۔ لڑائی میں اوپر تلے ہونے لگے۔ دونوں رونے لگے۔
بنیا آیا اپنے بچے کو گلے لگایا۔ پوچھا، پیار کیا، گھر کو بھیج دیا۔ پھر
نائی کے لڑکے کو مارا اور یہ بھی کہا کہ کیوں بے کینے کے۔ تو ہمارے
ہی گھر سے کھاوے اور ہمارے ہی بچے پر ہاتھ اٹھاوے۔ اتنے
میں نائی بھی آیا اور اس نے شور مچایا۔ بنیے نے سوچا اب ایسا نہ
ہو زیادہ فساد ہو۔ داد بیداد ہو۔ دوڑ کر گھر کو چلا۔ نائی اس
کے پیچھے لگا۔ بنیے نے جانا کہ میں بے ڈھب گرا۔ گھبراہٹ میں
چوکھٹ پر ایسا گرا کہ کواڑ کی کیل اس کے گال میں گڑ گئی اور ایک
ڈاڑھ صاف اکھڑ گئی۔ زخم کاری اور خون جاری ہو گیا۔ نائی نے
کہا کہ تم کو میرے بچے پر رحم نہ آیا۔ پر میں نے اپنا انصاف خدا سے
بھریا،

تلامذہ بے صبر

بے صبر کثیر التلامذہ تھے مکران کے تمامال پانچ شاگردوں کی اطاعت مل سکی ہے۔ وہ ہیں

کرشن چندر سروپ منیر پسر بے صبر
عباس سہارنپوری
شنکر لال ستانی
سندر پرشاد بجنورت
بنواری لال شعلہ

کرشن چندر سروپ منیر کا ذکر پہلے آچکا ہے اور عباس سہارنپوری کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ باقی تین کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔

ستانی : منشی شنکر لال خلف منشی خوب چند تحصیلدار ساکن سکندر آباد

۱۸۳۳ء میں تولد ہوئے تھے۔ ۱۸۶۳ء میں کلکٹری سہارنپور

کے پیشکار تھے اور ملازمت کی وجہ سے وہیں سکونت اختیار کر لی

تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آخر عمر میں

رعشہ ہو گیا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں

انتقال کیا۔ ہم شعر آثار الشعراء سے ہنود میں اوردے شعر غنائہ جوادید
میں موجود ہیں۔ انہیں میں سے پانچ شعر دیے جاتے ہیں۔

صدِ مرغِ جاں ہوا اپنا دل مضطرب سمیت
تیر بیٹھا اس کا پہلو میں ہمارے ہر سمیت

دبائے ہم نہ دل اپنا جو چرخِ پیر چٹکی میں
تو پھر تجھ کو اڑاتے نالہ شبِ بیکر چٹکی میں
عجب چشمِ جنوب گر کیت یہ تاثیر چٹکی میں
نشانہ اڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں

بتا دیں تمنا یہ چھڑا کل تمہارا کس کی انگلی میں
خفا ہو گا جو اس کا نام میں تھا جس کی انگلی میں
اڑا لائے مسیحا بن کے شاید حضرت ساقی
انگوٹھی کل یہ گر جا گھر میں تھی اک مس کی انگلی میں

یہ قطعہ تاریخِ مثنوی ہفتِ جگر کے آخر میں درج ہے، اسے بھی شامل کیا جاتا

ہے :

قطعہ تاریخِ مثنوی شکر لال صاحب المتخلص بساقی شاگردِ صبر بطور تعمیم

طبیعت اپنی ہوئی اس کو دیکھ کر ختم
کہا یہ از سرِ دانش یہی ہے باغِ اتم

چھپی جو ہفتِ جگر مثنوی تو لے ساقی
تدش تھی سن بھری کی مجھ کو بات نے

مجنون : سُندر پرشاد (ولادت ۴۱ - ۱۸۶۰ء) رائے نرائن دیال کے منجھلے بیٹے اور رائے میراٹھ وزیر اعظم ریاست فرخ آباد کے پوتے تھے۔ ان کے چچا رائے بشن دیال سکسینہ بلند شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ یہ انہیں کے پاس رہتے تھے۔ اور وہیں بے صبر کی شاگردی اختیار کی۔ مجنون کو اپنے استاد سے بہت عقیدت تھی چنانچہ کہتے ہیں۔

کیا نکھوں حضرت بے صبر کا وصف اے مجنون
آج تک ایسا نہ مانے میں نہ استاد آیا

ایک اور طویل غزل "ثناے بلند شہر" کا ایک شعر دیکھیے۔

بے صبر سا ہمارا ہوا استاد جبکہ و اں
کیوں ہو سرفلک پہ نہ پاسے بلند شہر

بے صبر کے بڑے بیٹے ہر سروپ جس کا انتقال شادی کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۸۶۲ء ہی میں ہو گیا تھا، کی شادی پر مجنون نے پانچ سہرے رقم کیے تھے۔ کل اشعار ۴۳ تھے۔ ایک سہرے سے چند شعر دیکھیے۔

۱۔ "زمانہ" اگست ۱۹۱۴ء جلد ۲ نمبر ۱۱ مضمون بعنوان سُندر پرشاد مجنون اردینا ناٹھ سیاح،
گوچر الزوال۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "..... بعد میں غالب کے حلقہ تلمذ میں داخل
ہوئے۔" مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا۔

ظلمتِ نور برابر نظر آئے مجھ کو نری کاکل کے پڑا جبکہ برابر سہرا
 خوب بل بل کے بلایتا ہے اس کے رخ کی عاشق زار ہے نوشہ کا مقرر سہرا
 سہرا دریا شغاعی میں بجتا اب دیکھیں ہوئے منصور وہ یا تیرا منظر سہرا

کھچکے سہرے تو بس غالب و ذوق اے مجنون
 کون نکھ سکتا ہے اب ان کے برابر سہرا

دوسرے سہرے سے تین شعرے

اک گماں تھا کہ شفق سے شرہ خاور نکلا رخ سے نوشہ نے جو پھولوں کا بٹایا سہرا
 عمر بخضر کی حاصل بہ عروس و نوشہ سریہ دولہا کے مبارک ہو دیا سہرا

سب سخن فہموں نے دی داد سخن اے مجنون
 میر محفل مرا حوروں نے جو گایا سہرا

سندر پرشاد مجنون نے بہت کم عمر پائی۔ ان کا انتقال ۲۸ سال کی عمر
 میں ۱۹۲۵ء بکری مطابق ۶۹-۱۸۴۸ء میں ہوا۔

شعلہ : بنواری لال ولد منشی موتی لال بھٹناگر۔ اصلًا حصار کے رہنے والے
 تھے۔ ان کے والد بسلسلہ ملازمت ناظر عدالت ججی، سہارنپور چلے آئے
 تھے۔ شعلہ ۲۵ جولائی ۱۸۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ اردو شاعری میں
 ان کا مقام بلند ہے۔ سہارنپور سے علی گڑھ آجانے کے بعد تفتہ
 کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے۔ ان کی شاعری میں ان سب

کے محاسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ عروض میں غالباً زیادہ دخل نہ تھا، مگر شعر نہایت آبدار اور چست کہتے تھے

نہ عروضی ہوں نہ ہوں واقف ارکان سخن
فَاعِلَاتِن نہ مجھے یاد نہ بابِ تَفْعِیل

۱۸۷۳ء میں وہ محکمہ بندوبست علی گڑھ میں ملازم ہو گئے تھے۔ پھر وکالت کے امتحان پاس کر کے وہیں وکالت کرنے لگے۔ گوشعلہ غزل بھی بہت اچھی کہتے تھے مگر نظم نگاری میں انہیں کمال حاصل تھا۔ سس میں غایت درجہ زور اور اثر ہے۔ اپنی بیوی کے نوحے میں کہتے ہیں۔

دامان قیامت! مرے ہاتھوں میں لپٹ جا
اوچرخ شکر! مرے نالوں سے الٹ جا
اے جانِ حزیں! جسم سے آنکھوں میں سمٹ جا
اے عمر! اگر باقی ہے کچھ، بچے کٹ جا

اک نزع کا نوڈ ہے جو سینے میں بھرا ہے : کس کا دمِ آخری آنکھوں میں بھرا ہے

رام نومی کے دن ۶ اپریل ۱۹۰۳ء کو وفات پائی۔ کلیاتِ شعراء "جواہراتِ سخن کا خزینہ" ہے ان کی طویل مثنوی "بزمِ برندا بن" شہرہ آفاق ہے۔

”بے صبر اور تلمذِ غالب“

جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے، بے صبر نے لکھا ہے کہ ”بعد تحصیل علوم درسی و رسمی کے مجھ کو شوق انشا پردازی و سخن طرازی کا دامنگیر حال ہوا اور زانے ادب خدمت حضرت استاد ی مولانا مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب دہلوی میں طے (تہہ) کر کے مدقوں خونِ جگر کھایا۔“ تذکرہ آثار الشعراء ہنود میں جس کا ترجمہ خوب بے صبر کا فراہم کردہ ہے، درج ہے کہ ”پندرہ برس کے سن سے اب تک شعر کہتے ہیں۔“ گویا بے صبر نے پندرہ برس کی عمر یعنی لگ بھگ ۱۸۲۸ء سے شعر گوئی شروع کی۔ لیکن ۹ ہی سال میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ غزل، تاریخ وغیرہ اصناف کے علاوہ ایک پوری مثنوی فکر کر دی، چنانچہ مثنوی ”لحنتِ جگر“ کی پہلی روایت ۱۸۳۷ء (۱۲۵۳ھ) میں مکمل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ مشق کسی استاد کے بغیر ممکن نہ تھی اور وہ استاد غالب نہ تھے بلکہ ان کے ماموں منشی ہرگوپال تفتہ تھے کیونکہ اس وقت تک بے صبر تو کیا خود تفتہ بھی غالب کے شاگرد نہ ہوئے تھے۔

بکھتے ہیں سے

معنی و لفظ و بود و کل، مہر و شعاع و بحر و موج
ذات و صفات ایک ہیں گرچہ میں ان کے نام دو

حسب طلب صلہ ملا، میری طرف سے شکریہ
ایک استاد کو بے سلام، تفتہ کو رام رام

بے متبر کے کلام سے یہ جتنی اطلاع ملتی ہے کہ ۱۸۵۸ء (۱۲۷۷ھ) میں غالب نے بے متبر کے ایک دیوان (جو یقیناً پہلا ہی دیوان ہوگا) پر اصلاح دی تھی۔ اس طرح فی الحال یہی کہا جاسکتا ہے کہ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۹ء تک کسی بھی سال میں بے متبر نے غالب سے اصلاح لینے شروع کی تھی۔ تاہم ان کے اس بیان کہ ”زالوے ادب خدمت حضرت استاد دی.....“ غالب دہلوی میں طے دہتہ ہکر کے مڈوں خون جگر کھایا اور مشق سخن کو صاف کر کے سرمایہ دو دیوان اور تین مثنوی کا اردو سے معنی میں اور ایک دیوان فارسی بہم پہنچایا“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے دیوان کی اصلاح ۱۸۵۱ء تک بے متبر ایک بے عرصے سے غالب سے اصلاح لیتے رہے تھے۔ یہ مدت آسانی سے پندرہ سے بیس سال کی ہو سکتی ہے۔ اندازہ ہے

۱۔ اس معرے کے دو ایک لفظ قیاسی ہیں۔ پڑھے نہیں جاسکے تھے۔

۲۔ ایک قصبے سے ذوق سے اصلاح لینے کا شبہ ہوتا ہے۔ گو حقیقت میں یہ شعر

ذوق کے احترام کو ثابت کرتا ہے اور اس سے

بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بے متبر میں

ریزہ چین خوانِ نعمت ذوق سے استاد کا

کہ بے صبر نے ۱۸۳۷ء اور ۱۸۳۸ء کے مابین غالب سے اصلاح یعنی شروع کی۔
 بے صبر کے نام غالب کا کوئی خط نہیں ملتا۔ ہوں گے تو ضرور یا کہیں پڑے
 ہوں گے یا ضائع ہو گئے۔ تاہم تفتہ کے پانچ خطوں میں بے صبر کا ذکر ملتا ہے۔
 اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ہاں صاحب، منشی بالکنڈ بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم
 پر فرض ہے۔ میں کیا کروں؟ اس خط میں انہوں نے اپنا
 سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں ان کے خط
 کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہہ دینا۔“
 چار شنبہ سوم نومبر ۱۸۵۸ء

۴ لالہ گنگا پرشاد شاہ و تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں
 مگر ریتختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے کہ یہاں آئے اور بالکنڈ بے صبر
 کی غزلیں اصلاح کو لائے، وہ دیکھ کر ان کے حوالے کر دیں۔“
 شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء

۵ منشی بالکنڈ بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رام پور
 پہنچا تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے،
 اور اگر دلی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر ان کے
 اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کی بار مہینا بھر صبر
 چاہیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ ازلیس کہ
 یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت دلتے
 ہیں، فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی۔ تم اسی رقعے کو

ان کے پاس بھیج دینا :-

سرخسہ - ۴ فروری ۱۸۶۲ء

"دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے قبیر کا، یہ تین کاغذ درپیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کیے جائیں گے، خاطر جمع رہے۔"

صبح جمعہ - ۲۰ جولائی ۱۸۶۲ء

"لہ بالکلند بے قبیر کا ایک پارسل ہے کہ اس کو بہت دن ہوئے۔ آج تک سرنامہ بھی نہیں کھول۔"

۲۷ نومبر ۱۸۶۲ء

کلیات بے قبیر (قلمی) میں ایک قصیدہ ۵۳ اشعار کا، تفتہ کی شان میں ہے، ایک قصیدہ ۴۴ شعر، مستی "قند مکتر" غالب اور تفتہ دونوں کی مدح میں ہے۔ دو قصیدے غالب کی شان میں ہیں جن میں بتدریج ۱۴ اور ۵۲ اشعار ہیں۔ غالب کے دونوں قصیدوں میں سے وہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق تلمذ غالب سے ہے

جن کا غالب ہے تخلیق اسد اللہ ہے نام
یہ تو ہے کفر جو کہیے کہ ہے یزدان میرا
پر ہے مادی مرا، رہبر مرا، استاد میرا
قبلہ ہے، کعبہ ہے، دیں میرا ہے ایماں میرا

جو مہر سے ہے ذرے کو نسبت دی مجھے
نسبت ہے میرزا اسد اللہ خاں کے ساتھ
غالب ہے غالب الشعر کا مرے لقب
رشتہ ملائکہ کا ہے اس نکتہ داں کے ساتھ

کلیاتِ بے صبر میں جا بجا اور بھی اشارے ملتے ہیں جیسے سے

التفاتِ حضرت غالب سے اے بے صبر اب
بھوکا حاصل شیوہ شیوا زبانی ہو گیا

بے صبر مثلِ غالب روزِ ازل سے اب تک
پیدا ہوا نہ ہوگا صاحبِ زباں زمیں پر

شگفتہ خوش زمیں ہے یہ بغیضِ حضرت غالب
غزلِ بے صبر کمر ایک اور بھی تحریر سینے میں

مشاعروں پر کیوں نہ غالب آؤں اے بے صبر میں
حضرتِ غالب ہیں آخر کو مرے استاد بھی

شبِ تنہائی میں بے صبر بقولِ غالب
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

خوب کی پیروی حضرت غالب، شاداش
کہ وہ ملت میں قعیدے کی ہے پھلا مرسل

کیوں نہ اسے بے صبر غالب ہو سخن سب پر مرا
اس کو ہے اصلاح غالب میرزا کی ان دنوں

ان کے علاوہ کلیات بے صبر میں ۸ غزلیں ایسی ہیں جو "استاذی حضرت مرزا
اسد اللہ خاں صاحب غالب سلم اللہ تعالیٰ" کی غزلوں کو سامنے رکھ کر کہی گئی ہیں۔
غالب کی شان میں ایک قصیدہ شبنوی "لوت جگر" میں بھی ہے۔ کل اشعار
۴۸ ہیں۔ چند اشعار ایسے ہیں جن سے بے صبر، تفتہ اور غالب کے آپسی تعلقات
پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ بے صبر، غالب کے شاگرد
کا شاگرد ہے۔

میں بھی ہوں فن شعر کے گرد
شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد
یعنی پہلے تفتہ شاگرد غالب کا شاگرد تھا۔ غالب کی شاگردی کا مرتبہ تفتہ
کی مہربانی سے حاصل ہوا ہے

تفتہ کے سبب بہ خواہش دل
رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل

اور اب ہے

غالب کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے
میں ہوں کہیں وہ مہیں ہے

پورا قصیدہ ملاحظہ فرمائیں

قصیدہ

بے صبر! وہ صاحب بصیرت
وہ پاک سرشت پاک جوہر
روشن دل و سینہ مشرق تاں
خورشید سپہر عز و تکریم
عقل اس کی تن عقول کی جاں
طے کردہ وادی طریقت
وانا ہے اصول علم معقول
ہر علم میں باکمال ہے وہ
استاد جہاں فصاحت آموز
شاہنشاہ کشور معانی
استاد بہر زبان، سخن گو
نام اس کے سے کرتا ہوں میں آگاہ
مشہور تخلص اس کا غالب
مرزا نوشہ لقب ہے اس کا
ہے سعدی آخر الزماں وہ
ہوتا وقت اب جو انوری کا
خاتانی اگر موانہ ہوتا
جیتا اگر اب تک نظیری

انسان صورت فرشتہ سیرت
وہ پاک نژاد، پاک گوہر
جاں جملہ حق و تمام تن جاں
ماہ فلک رضا و تسلیم
نفس اس کا نفوس کا نگہاں
بے برودہ منزل حقیقت
آگاہ رموز فن منقول
ہر فن میں بے مثال ہے وہ
سبحان زماں، بلاغت اندوز
فرماں وہ ملک نکتہ دانی
مختص بہ زبان فرس و اردو
اول ہے اسد اور آخر اللہ
مطلوب دل ہزار طبالب
ثنائی کوئی اور کب ہے اس کا
نے نے سعدی کہاں، کہاں وہ
بھرتا نہ وہ دم سخن درسی کا
کیا اس کا گدا ہوا نہ ہوتا
جاتا بھول اپنی بے نظیری

کرتا نہ اگر جہاں سے دُوری
 مرتا اگر اب ملک نہ صائب
 غرق جو گیس ہے نوجواں مر
 گر شیخِ علی مزین نہ مرتا
 کیا بھرتا نہ پیشِ ہند پانی
 دن سے گئی نہ صبتِ صائب
 جب پارسیوں کا حال یہ ہے
 سوتا اور معنی و جرأت
 شاعر میں یہ سب جو رہتے گو
 گریہ سرمو مرا، زبان ہو
 خوش خلق ہے، خوش مزاج خوش خور
 بے مثل طبع، طبع سے خالی
 دل اس کے پہ پہ نیل و کوناز
 لے کر کوئی احتیاجِ کمر آئے
 عالم میں ہے فیضِ عام اس کا
 جو اس کے تلامذہ میں آیا
 میں بھی کہ ہوں منہ تنوع کے گرد
 میں ذرہ ہوں اور ہے وہ خورشید
 میں قطرہ ہوں اور بحرِ عثمان
 آپ اس نے ہی ہوں جس کا مدح
 مجھ کو دیا افتخار اس نے
 ہے زیبِ سرا اس کے در کی جو خاک

پاتا نہ ظہور اب ظہوری
 ہوتا وہ سخن وری سے تائب
 غالب سے گیا وہ غالباً ڈر
 ترسِ سخن اختیار کرتا
 شمشیرِ کمالِ اصفہانی
 بھاگ امل سے روحِ طالب
 یہ قال ہے اور مقال یہ ہے
 ناسخ اور رد و متر و حسرت
 غالب کی نہ ان سے ہم سہری ہو
 وصف اس کا نہ حشر تک بیاں ہو
 خوش رو ہے وہ خوش نصیب خوش گو
 ہمت اسے دی خدائے عالی
 مستغنی و سیرِ چشم و بے آرز
 مایوس نہ اس کے در سے وہ جائے
 ایمانی ہے خاص کام اس کا
 دخل اس پر نہ معترض نے پایا
 شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد
 خورشید سے ذرہ کو ہے تائید
 عثمان سے وجودِ قطرہ ہے پاں
 دیوان کو میرے دی بے اصلاح
 بخشا مجھے اعتبار اس نے
 پہنچا مرا سر بہ ادجِ افلاک

حق اس کو رکھے سدا سلامت
تفتہ کے سبب یہ خواہش دل
وہ چرخِ زمینِ شعرِ تفتہ
ہندی رہ فرس کا ہے رہ رو
ناطق ہے وہ فارسی زباں میں
ہے تفتہ آتشِ محبت
غالب کا ہی وہ بھی خوش ہے

اے ساقی خوش کلام لا جام

مجھ کو مے فیض کا پلا جام

بے صبر کے کلام پر غالب کی اصلاحیں منشی ہمیشہ پرشاد کو دستیاب ہوئی
تھیں اور وہ انہیں شایع بھی کرنے والے تھے مگر نہ جانے کیا ہوا کہ منشی صاحب
کے انتقال کے بعد ان اصلاحات کا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ جنابِ سحرِ عشق آبادی
نے بے صبر کے کلام پر ایک اصلاح کا ذکر شکستِ ناروا کے عیب کے سلسلے
میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

” (غالب) منشی بال مکند بے صبر سکندر آبادی کی غزل

پر لکھا کہ اس بکھر میں تمہارا نام اچھی طرح آ سکتا ہے بے صبر
نہ لکھو بال مکند لکھو

میں نے کہا ترا جو بے صبر غفارت مر گیا
کہنے لگا وہ کون تھا میں اسے جانتا نہیں

مثنوی الختِ بگر

اس مثنوی کا ایک نہایت عمدہ مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے جس کا سرورق یوں ہے۔

الذخیریل ویحب الجمال

المنۃ اللہ کہ زمزمہ شکر من جاں پرورد ترانہ عاشقانہ پراثر موسوم

بہ

مثنوی الختِ بگر

من تصانیف نکتہ مراے محسود ترساو گبر منشی بال مکند سکند آبادی مخلص بہ جہر

در مطبع خود شید جہانتاب بہار پور منطبع شد

فی جلد منشی امیر سنگھ پروپیٹر

متن ص ۲ سے شروع ہو کر ص ۴۲ پر ختم ہوتا ہے، اور ص ۴۲ سے ص ۴۳ تک تاریخی
 قطعات ہیں۔ آخری الفاظ یہ ہیں :

” کتبہ نجم الدین لاہوری
 باہتمام عمر دلاز خان پریس مین “

ص ۱۴۴ پر ” قطعہ بے صبر تغمیں مصرعہ سعدی ہے جس کا تعلق مثنوی سے نہیں ہے،
 محض خالی صفحہ بھرنے کے لیے لکھا گیا ہے یا اسے کاتب مثنوی نجم الدین لاہوری کی
 خوشنویسی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے “

کہا جو میں نے لبِ لعل کیا بُرے تھے ترے
 کیے مسی سے جو تو نے سیاہ باعثِ زیست
 تو ہنس کے بولے کہ ہے قولِ شیخ اے بے صبر
 کہ آبِ چشمہٴ سیاہ درونِ تاریکیست

تذکرہ سخن شعرائیں نساخ نے بے صبر کو فارسی گو کہا ہے مگر فارسی کا کوئی شعر نہیں
 دیا شاید اس لیے کہ تذکرہ اردو شاعروں کا ہے۔ بہر حال اس مثنوی میں بے صبر کی
 دو فارسی غزلیں بھی ہیں۔ محفوظ کرنے کے لیے یہاں پہلے انہیں درج کیا جاتا ہے۔

غزل

جاناں دہم شراب و نوشم	ایں کفر بدیں نئے فروشم
برساتی و بادہ باد قربان	نقدِ دل و دین و صبر و ہوشم

دستِ من و دوشِ عیشِ کافروز دستِ صنم است زیب و دوشم
 از نغمہ زبان مباد خاموش گوید یدم از کسے خموشم
 یار دے و مطرب است بے صبر
 باید کہ بحسن نشاط گوشم

غزل

چشم تو نہ پر خم از الم باد بردامن دل نہ گرد غم باد
 تیغِ غضبِ خدا میداں بہر سر و شمنت علم باد
 جاے کہ درختِ فتنہ روید از تیغِ جفاے تو قلم باد
 جامت ز مے جہاں ستانی در دستِ تو رشکِ جامِ خم باد
 قدیمہ سرکشانِ بے مہر پیشِ تو چو ماہِ عیدِ خم باد
 بے صبر نصیب تو دریں بزم
 جام دے و مطرب و صنم باد

بیانِ حالِ دلِ بیتابِ سببِ تصنیفِ کتاب

یارو کہوں کیا میں حال اپنا رنج و تعب و ملال اپنا
 ہوں میں بخدا دل و جگر ریش آزرده لعبتِ ستم کشیش
 بسیار نگاہِ مست و مخمور بیزار و نزار و زار و رنجور
 صد زخمِ خدنگِ عشق کھائے صد مے غم و درد کئے اٹھائے
 غم دیدہ و صد بلا کشیدہ بر بسترِ محنتِ آرمیدہ

ہے بال ممکنہ نام رنجور
 کا یہ تھوڑے قوم کا میں ناشاد
 دلی سے آداب میں جوے شرق
 طفلی سے زبیکہ گوشتِ دل
 تھا مکتبِ عشق میں سبقِ خواں
 تھا اپنی نظر میں صبح اور شام
 تھے یاد میں خصال کے نقطِ یاد
 شبن ابرو دوری مژدہ دہن میم
 استاد تھا شوق اور میں شایق
 جب دل ہوا دلپروں کا شیدا
 نسبت ہے جو درد کو سخن سے
 سینہ میں دل و جگر تھے چلتے
 جو آیا زبان پر زبانہ
 کہہ کر غزل و رباعی و فرد
 کہتے تھے رفیقِ نجد سے ہر روز
 تا ہوتا زورِ طبع معلوم
 کہتا ہی میں کہ کیا کہوں میں
 کیا میری زبان ہے کیا مرا فکر
 کیا چھوڑا ہے اہلِ مثنوی نے
 فیاہنی آتشیں سخن نے
 ایک روز کہ تھا وہ روزِ موعود
 کھولی پے انکشافِ حواں

بے مہر تخلص اپنا مشہور
 ہے میرا وطن سکندر آباد
 ہے بیس کردہ کا اسے فرق
 رکھتا تھا بہ حسن و عشقِ مائل
 رخسارِ بتاں میری گلستاں
 زلف و قدیار کا الفتِ لام
 خوش چشموں کی چشم تھی میری خداد
 خوش خطوں سے خط کی تعلیم
 نکلا فنِ عاشقی میں لایق
 دل میں ہوا میرے دردِ پیدا
 اور واسطہ سخن و ہنس سے
 شعلے میرے منہ سے تھے نکلتے
 وہ ہو گیا شعرِ عاشقانہ
 سینہ کا نکالتا تھا میں درد
 کہہ تو کوئی مثنوی پر شوز
 نابود ہو تو نہ ہو وہ معدوم
 کب لایق شعر گوئی ہوں میں
 ہوگا شعرا میں کب مرا ذکر
 خسرو نے نظامی مولوی نے
 سودا نے میر نے حسن نے
 سامانِ نشاط و عیش موجود
 دیوانِ کسانِ غیب سے قال

نکلی غزلِ خجستہ مضمون
 تھے تافینہ عنبر و سرور
 مطلع سے مبارک و ہمالیوں
 حافظ نے یہ جیکہ دی بشارت
 یعنی میں لگاڑ لانے رفتے
 افسانہ جاں گداز کہنے
 دل کا میرے خوں ہے یہ فسانہ
 مئے مثنوی ہے یہ اک طلسمات
 جو حال جہاں بیاں کیا ہے
 جس بات کی تیج پہ آگیا ہوں
 اس عطر سے حق کرے سراسر
 منظورِ عوام ہو یہ محبوب
 ہر مدرسے میں یہ بار پائے
 تختِ جگر اس نے نام پایا
 فکرسن عیسوی جو آیا
 جب ہو گئی ختم یہ کہانی
 مانع ہوا اس کا شوقِ یاران
 یعنی نہ انہوں سے ہو سکا صبر
 اس طور سے ہو کے نقل و نقل
 اب ہے جو یہ سال سال مسعود
 ترمیم کیا پھر اس کو میں نے
 آراستہ کر دیا اب اس کو

بحرِ مجتہد ز صاف مجنون
 تکرارِ ردیف کن برابر
 مقطع تک تھا سب اس کا مضمون
 کی طبع کو میں نے پھر اشارت
 سلکِ گہرِ سخن پر ورنے
 در پردہ سب اپنے راز کہنے
 جادو ہے فسوں ہے یہ فسانہ
 چھوٹا مرامنہ ہے اور بڑی بات
 کر ہو ہوا اک سماں دیا ہے
 تھی جھوٹ تو سچ بنا گیا ہوں
 ہو محفلِ قدسیاں معطر
 مشہورِ مدام ہو یہ محبوب
 ہر بزم میں یہ وقتا رپائے
 نام و سن اختتام پایا
 بالغِ خرد اس کا سال پایا
 باقی تھی ابھی نگاہِ ثانی
 پاسِ طلبِ شبابِ کاراں
 نقل اس کی انہوں نے لی بصدِ جبر
 اکثر ہوئیں اس کی بیشتر نقل
 بارہ سو پچھتر افزو
 ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
 پیراستہ کر دیا اب اس کو

بے عیب یہ ہو گئی مہر اسر
 ترمیم کا سن "نہ ہے میرا بخت"
 پہچان کے مجھ کو طفلِ مکتب
 اور پائیں خطِ صریح کوئی
 اغماض سے یا کریں خموشی
 کچھ اس پہ نہ التفات فرمائیں
 جامِ مے عشق وے مجھے اب

غالب کی نگاہ سے گزر کر
 تصنیف کا سال تھا جلگہ بخت
 امید یہ دوستوں سے ہے اب
 اول تو کریں نہ عیب جوئی
 اصلاح کریں بے عیب پوشی
 پہلا کوئی نسخہ گر کہیں پائیں
 لے ساقی شوخ زند مشرب

مثنوی یہاں وہاں سے

طوفان محیطِ نامہ ہے عشق
 جوشِ کمرہِ اخیر ہے عشق
 آتشِ گہرِ عشق کا ہی اختر
 سوزِ دلِ آتشِ جہنم
 آشوبِ زمین و آسمان سوز
 لرزاں تنِ شعلہ ہائے کرش
 خورشیدِ اس آگ کا ہے سیما
 غمِ خزانہ دل میں شعلِ افروز
 بیتاب ہے ماہیِ سمندر
 لیکن نہ خدا سے ہے جدا عشق

ایک ابرِ شرار بار ہے عشق
 سیلِ یم زمہریر ہے عشق
 عالم سوزِ آفتابِ محشر
 تب لرزہ برقِ آتشیں دم
 صبرِ دل و جاں کا خانماں سوز
 زرد اس سے ہے رنگِ آتش
 ہے برق اسی تپش سے بیتاب
 ہے گرمیِ بزمِ داغِ جاں سوز
 اس یم میں کہ ہے یہ بکھر آذر
 ہر چند نہیں ہے خود خدا عشق

ہے عشق بنائے آفرینش
 نورِ نظرِ چراغِ بینش

کُن جس کو کہیں بمنطقِ راز
کی منطق نے جادہاں دہن میں
جاں بخشی کا اس میں پراثر ہے
ہیں حد سے فزوں سخن فراہم
نئے نئے نہ جہاں جہاں جاں ہے
کیا وسعتِ عالم سخن ہے
پاتا ہے بہر زمانہ یہ نو
ہیں کوہِ ردیف و قافیہ قاف
دشت اس میں بڑے بڑے قانع
کہتہ ہے یہ عالم اور نوری ملک
سے ناظم ملک اطیع موزوں
مضمونوں کے بے شمار افواج
فکر اس میں ہے کار و عامل
ہیں بیتوں کی بیت اور غزل شہر
جانے جیسے ہوتا شش یعنی
سب بولتے دم کا ہے یہ ساماں

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہ ہفتہ باشد

بے صبر سخن ہی تھا وہ اعجاز
جاں جس کے سبب در آئے تن میں
گو جب سے زمانہ در گذر ہے
ہر ملک میں ہر زمان میں ہر دم
گویا کہ سخن بھی اک جہاں ہے
کچھ یاں نہ مقامِ دم زدن ہے
ہو گزرے کہن زمانے میں ستر
بحروں کی ہیں اس میں بحرِ اطراف
باغ اس میں صناع و بدائع
کشور میں قصیدہ منوی ملک
ہیں اس میں رباعی ربیع مسکون
شاعر ہیں سب اس کے صاحبِ حاج
نام آوری اس کا ہے محاصل
رکھتا ہے زمین شگفتہ یہ دہر
کل اس میں ہے بود و باش یعنی
شے ہے سو جہاں میں ہے سخن ہاں

آیاں بہار و سبزہ آغاز
چشم بد دور بارہاں سال
آثارِ شجاعت اس سے ظاہر

حسن و نیک و نزاکت و ناز
پیشانی پہ اس کی نورِ اقبال
ہر علم و ہر ایک فن سے ماہر

اس رُوسے عزیز تھا وہ مشہور
تھا بسکہ سوئے خسکار مائل
صیدِ دل و حش و طیر کرتا
کیوں بادِ شہوں کو سونہ مرغوب
باطن میں ہے بارِ عامِ مظلوم
باطن میں ہے مشقِ تیر و شمشیر

تھا یوسف مصرِ حسن وہ پور
اُس ضیغِ دشتِ شوق کا دل
جنگل میں ہمیشہ سیر کرتا
والہ یہ شوق ہے بہت خوب
ظاہر میں ستم گری ہے معلوم
ظاہر میں ہے لہو لعبِ پخیر

ظاہر میں ہے محنت و خرابی
باطن میں ہے فالِ فتحِ یابی

ہر اک بغرور و خود ستانی
شاہان و بتاں کا زیبِ سروں
پہنچائے دماغِ کونک پر
موزوں مراقبہ و خد ہے سیراب
پر بھول کے مت کسی سر چڑھ
ہے بلکہ یہ کام دردِ سر کا
جز دردِ سر اس سے ہونہ حاصل
کہتے ہیں سبھی مدح اس کو
چھوٹا تراقبِ بڑی ہے گفتار
میں تجھ سے زیادہ ہوں سرفراز
مجھ کو کیا حق نے سرو آزاد
ہے نام ہمد میرا سرو بال
یہ بات نہ راستی سے ہے دور

باہم گل و سرو میں لڑائی
گل کہتا تھا میں بزرگ تہوں
محفلِ مری بو سے ہو معطر
ہے رنگِ مرالیند احباب
کنے لگا سرو دار پر چڑھ
سر چڑھنا نہ کام ہے ہنر کا
ہاں سچ ہے کہ بوجہ تیری نازل
جس شخص کے بوجہ دماغ میں ہو
ہوتے کہیں پستِ قد ہیں سردار
اس رنگِ دوروزہ پر نہ کرناز
کیوں شاد نہ ہوں کہ ہوں میں شمشاد
ہے قدرِ مرا حدِ قدرِ والا
سیرتِ مری راستی میں مشہور

یاں تک تو ہے راستی کو تاثیر
گل پھر ہوا سن کے یہ سخن کو
گر راست ہے تیری خود ستائی
آزادی کی اپنے کرنے تقریر
کھیتا ہے سینہ میں جگہ تیر
ہے کل طویل احسن تو
کیوں فاختہ سی ہے کج ادائی
ہے پاؤں میں موجِ آبِ بخیر
سرتاپا سرکشی کو کم کر
سر کو بدرِ نیازِ خشم کر

بیٹھا شبِ عشقِ تختِ دل پر
نوبتِ غمِ بھری کجائی
قبضہ کیا گنجِ نقدِ جان پر
سکہ زرِ داغ کا چسلا یا
شہزادہ کو جب غرض ہوا ہوش
گل ساوہ رخ اس کا زعفرانی
گم ہوش و حواس و چشمِ حیران
بھڑکی دل و جان و تن میں تش
نے تن میں تو اں نہ دل تیرا
وحشت سے کبھی چمن میں سارے
گرتا تھا کبھی پھار کھاکر
سر کو کبھی مارتا زہیں پر

قابض ہوا ملک آب و گل پر
اندیشہ کا پھر گئی دہائی
جزیہ لگا غم کا استخوان پر
خطبہ خود کفر پڑھنے آیا
اٹھا تو دلے نہ خود فراموش
تس پر بھی اشک اور غوائی
بیتاب و قرار و مو پریشان
خاطر آندہ دل مشوش
سودا و جنوں و ضبط و سرسام
پھرتا تھا وہ ڈوڑا دراباے
روتا کبھی شور و ہچاکر
کلتا کبھی چشمِ آستین پر

کرتا کبھی اپنا پیر بن چاک
گہ بوٹتا تھا پستِ خاک

پوچھا کہ کہو تو مختصر حال
 پوچھا کہ ہے رنگ کیا تمہارا
 پوچھا تمہیں کچھ تو ہے شش و پنج
 پوچھا کہ نہ بے سبب ہے کچھ بات
 کہنے لگے سُکر ہے بہر حال
 بولے کہ جو ہے سو آشکارا
 بولے نہ بشر ہے بے غم و رنج
 بولے کہوں کیا سبب میں یہ بات
 یہ کہہ کے ہوئے کمال مضطر
 رونے لگے ہائے ہائے کر کر

بے قبر معنی زمانہ
 گہ سوز کی یہ لگا کر آواز
 گہ نغمہ تہذیب کو گاکر
 زخم میں ہے اس کے تارِ عالم
 ہر دم نیا چھڑے ہے ترانہ
 آہنگ الم کو کرتا ہے ساز
 زاہد کو بھی چھوڑے ہے بچا کر
 پردے میں ہے اس کی شادی غم
 طبلہ میں ہے اس کے مشک و قیر
 چٹکی میں ہے اس کے زہر و اکسیر

بے قبر گئے خزاں کے ایام
 دیوانوں نے توڑیں اپنی زنجیر
 آراستہ پھر گلوں نے کی بزم
 وہ گل ہے جو گلستاں میں تھا آہ
 دینے لگے نو بہار پیغام
 صحرا کو لیا جنوں نے جاگیر
 بیل کو چین کا پھر ہوا غم
 چوں زکس خشک چشم بر راہ
 پیغام بہار سن کے یکبار
 بس کھل گیا باغ باغ وہ زار

بے قبر عجب مزا ہو جس دم
 مل جائیں کہیں دو یار با ہم

خلوت کی ہو جاوہ پردہ کی اوٹ وہ عشوہ و غمزہ کی بہم چوٹ
 وہ تازو نیازی ہوں باتیں وہ بوس و کنار کی ہوں گھٹائیں
 احوال سنا نہیں اپنا اپنا اخلاص جتا نہیں اپنا اپنا
 آپس میں پیس شراب دولو آخر کو ہوں بے حجاب دولو

مغرب کی طرف سے ہو کے اک شہر اک زلزلہ آیا وہاں بصد زور
 شدت سے لگی زمین تلنے پانی لگا بحر کا اچھلنے
 کہہ سار لگے جگہ سے جانے اشجار لگے پکھاڑ کھانے
 سقف و در و صحن بام کا پیسے جسم و دل و جاں تمام کا پیسے
 فتنہ کے زبیں میں گر گئے پانو البرز کے بھی اکھڑ گئے پانو
 صدمے سے ہوا دل زبیں شق رنگ رخ خسلق ہو گیا فوق
 گرنے لگے قصر پیچھے آگے جنگل کو سب اہل شہر بھاگے
 شہزادہ بہسار اور صنوبر لہزاں نکل آئے گھر سے باہر
 بھونچال تو تھا اسی عالم آزار آندھی کا بھی غٹ ہوا نمودار
 گردوں کو چھپایا خار خس نے
 بادل لگا خاک کا برس نے

شہزادہ جو تھا وہ غیرت مہ یاروں نے بنایا اس کو دولہہ
 گلگو نہ ملا رخ و بدن پر حمام میں غسل اسے کرا کر
 رنگین کیا اس کے دست پا کو پرجین کیا طرہ دوتا کو
 آنکھوں میں لگایا اس کے جل پوشاک پہ عطرِ فتنہ مل مل

پہنایا خلعت شہساز
 سہرا برخ منور سے
 موتی کی پہنائی اس کو مال
 کچھ تھایا شب من شاہزادہ
 یہ حسن کا اس کے دیکھ عالم
 اس طرح بنا سوار اس کو
 نقارے پہ بڑگئی ادھر خوب
 وہ زہر کی گونج بم کی وہ گھور
 کرنا کی لک نری کا انداز
 زربفت کی بیری میں جھلکتی
 گھوڑوں کے ترچھے بانکے
 چمکاتے سمند باد پا وہ
 چاروں طرف ایک حلقہ پیل
 جھول ان پہ زری کی بھاری بھاری
 گھڑناں ہزاروں اور شترناں
 فیروزے کی پالکی ہزاروں
 سردار تھامی و زری پوش
 جاتے تھے جلو میں آگے آگے
 خوش پوش نقیب اور جلودار
 وہ تخت رواں اور ان پہ چوہاں
 روشن ہوئیں مشعل شب فروز
 کچھ روشنی کچھ ہجوم مشعل

زیب کیا تاج خسروانہ
 نور شدید پہ ہو شعاع جیسے
 پھولوں کا گلے میں ہار ڈالا
 کچھ اور بھی بن گیا زیادہ
 دم کر دیا پڑھ کے اسم اعظم
 گھوڑے پہ کیا سوار اس کو
 چننے لگی قلعہ پر ادھر خوب
 تاشوں کا پڑا ہر طرف شور
 شہنائی کی وہ سہاتی آواز
 شادی کی ہوا میں تھیں بھڑکتی
 جکڑے ہوئے ترکش وکماں کے
 باندھے ہوئے جاتے تھے برا
 صدیل سبک رو گراں ڈیل
 یا قوت کی ہوج و عماری
 آواز سے جن کی آئے بھونچال
 رتھ سینکڑوں نالکی ہزاروں
 جام مے خرمی کیے نوش
 سب جھومتے محفلوں کے جاگے
 کرتے ہوئے چوہاں ہشتیار
 خوش نغمہ سرا و پاسے کوہاں
 شب ہو گئی غیرت دو صد روز
 کچھ تابش ہو ج مشکل

جولاں گنگہ برق و عرصہ شہرق
چاروں طرف اہل شہر کا غٹ
گرنے لگا پھنس کر ایک پر ایک
طفل وزن و مرد کا جب رغل
پہنچی در دولت ملک پر

کچھ طاش و زری کا زرق اور برق
شکر کا غل اور یلو کا جمگھٹ
عالم ہوا جمع آن کر ایک
شفقت و ربام پر تھا بالکل
اس طرح غرضی برات سچ کر

خاتمہ کتاب

تا زندگی شکر حشر تک شکر
غیرت وہ گلستانِ رضوان
گل ہیں اور سر و شعر موزوں
سوز اور گداز صوتِ بلبل
تا کہ اس میں تمام ساقی نئے
ہے نہر لطافت اس میں جاری
سرتاپا صد بہار اس میں
یہ باغ کیا ہے میں نے میراب
مجھ سے میرے بعد یہ رہے یاد
اس سے مجھے افتخار جاوید
پہنچے سر ہر زبان پہ یہ گل
ہو اس کے سے مغز جانِ معطر
گل چینی کو اس میں نکتہ چینی ہیں

صد شکر ہزار شکر لک شکر
صد شکر ہوا یہ تازہ بستان
رنگیں جو بندھے ہیں اس میں معنوں
آشفۃ بیانی اس کا سنبھل
ہیں زیب کلام ساقی نئے
تمہیدوں کی جا بجا ہیں کباری
ہیں سرخیاں لالہ زار اس میں
دے دے کے جگر سے آبِ خواب
بخشی اُسے حق ابد کی بنیاد
دی اس کو خدا بہار جاوید
ہو مرغِ قبول اس کا بلبل
رنگ اس کے سے ہونظر منور
اہل نظر اس میں سیر فرمائیں

آہن ہے تو یہ ہے زربے تو یہ
 خوش ہو کوئی یا خفا یہی ہے
 ہے میرا ایک پھوٹا بھائی
 تاریخ کا کر کے فکری الحال
 مشفق مرے اک لہجہ نرین
 ہیں شاعری سے وہ گرچہ آزاد
 سن کر اسے وہ بصد مسرت
 ہندی میں دعا دی ہو کے سرور
 اب دوستو اس کو یہ دعا دو
 حقفل ہے تو یہ شکر ہے تو یہ
 جو ہے سو بڑا بھلا یہی ہے
 اس کو جو یہ بول چال بھائی
 مرغوبہ کہا کہ اس کا ہے سال
 کشمیری ہیں قوم کے برہمن
 تاریخ کے کہنے میں پر استاد
 بولے کہ یہ ہے بیاض دولت
 التدریہ مشنوی ہو منظور
 مقبول جناب کبریا ہو
 بے صبر نہیں ہے مجھ میں اب ہوش
 خاموش ہو اب بس اب ہو خاموش

مثنوی اخگر عشق

رسالہ بدیع البدائع میں "سوانح عمری مصنف" کے تحت بے صبر کی جن تصانیف کا ذکر ہے اُن میں چھٹی تصنیف مثنوی اخگر عشق ہے۔ اس کے رد برو لکھا ہے۔
 "در حقیقت یہ مثنوی اسم با مستی اخگر ہے۔ چھپ گئی"۔ پھر اسی رسالے کے ص ۳۲ پر یہ اندراج ہے :

"تاریخ مثنوی اخگر عشق راقم۔ بیت ۵

جس کا سن لالہ پُر داغ ملا

۱۲۷۳

پر وہ لالہ بسرِ باغ ملا

۲

لالہ پُر داغ ماۃ تاریخ کے اعداد بارہ سو تہتر ہوتے ہیں جب ہر باغ کے عدد کہ باے عزلی اور اس کے دو عدد ہیں، زیادہ کیے تو ۱۲۷۵ عدد سالِ مطلوب کے پورے ہو گئے۔

اس طرح یشبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ مثنوی کہی بھی گئی تھی اور شایع بھی ہوئی تھی مگر

اس کا چھپا ہوا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔ غرض ہوا ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو اس
 مشنوی کے چند قلمی اوراق دستیاب ہوئے تھے۔ وہ بھی کہیں کاغذات میں کھو گئے۔
 اب میری درخواست پر انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے ص ۳ تا ۱۰ بہم پہنچائے
 ہیں۔ انہیں میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

”دے مفا میں کو مرے رنگِ قبول	مرے کو مرے آہنگِ قبول
آئے تاحِ حضرتِ غالب کو پسند	جس کا شاگرد ہوں میں بالکلند
بے تخلص مرا بے قصہ عیاں	وقت اک کرتا ہوں سچا میں بیاں
جس کا سن لالہ پر داغ ملا	پر وہ لالہ بے سرِ باغ ملا
اتگر عشق ہوا اس کا نام	ہو بخیر اس کا الہی انجام“

(راوی کا بیان ہے)

کہ بنارس میں کوئی تھا ایک مرد بمرث و ہمہ سوز و ہمہ درد

بیش بائیس برس کا تھا جوان	شعلہ زشت سے عیاں خط کا دھواں
آپ بھی گرجہ طرہ دار وہ تھا	رشتک گلِ غیرت گلزار وہ تھا
دل میں پر داغِ بزرگِ نالہ	اس کا دل آگ کا تھا پر کالہ
مثل سرِ دلِ جو ماقد موزوں	ایک پابستہ زنجیرِ جنوں
صنعت سے شعلہ لڑاں وہ قد	برہ تن سرو چرخاں وہ قد
سر پہ زلف اس کے ہاتھی کالی	رشتک سنبل بہ پریشاں حالی

وہ اداس ابروئے خمدار ہلال	غیرتِ ماہِ محترم ہر سال
اشک سے تر سرِ خارِ مژگاں	خارِ پرہیز میں خلیدن ہو کہاں

چشمِ مخمور تھی اس کی پُرسِ خم
مست و پُر خواب و سیاہ و مخمور
رخِ کلفِ ام جو تھا غم سے زرد
دیکھ لب اس کے دمِ گرم سے خشک

نرگسِ آلودہ آبِ شبنم
خواب کی چشمِ بد اس سے پُر درد
صاف چھپتا نظر آتا تھا درد
خون یا قوت ہوا شرم سے خشک

حسن اور عشق کا تھا ایک گلزار
بسکہ تخمِ شرِ عشقِ اول
بویا تھا اس لیے تا ہو کے شجر
جو سے دل سے اسے ایسا خواب
تب یہ گل اس نے کھلا رکھا تھا

جس میں پیوندِ خزاں تھا یہ بہار
کشتِ ل اس کی میں در و درِ ازل
لاے خورشیدِ قیامت کا شمر
غم نے دے دے کے کیا تھا سیراب
بلبل اس گل کو بنا رکھا تھا

الغرض وہ گلِ رشکِ بلبل
رہا کرتا تھا دلِ آزرده سا

بلبلِ غیرتِ گلِ عزتِ گل
جیتے جی عشق میں تھا مُردہ سا

[ایک روز]

تپشِ دل سے بھٹا اور جلا
بے قرار، آہِ بلبل، گھبرا یا
سرد تا آتشِ دلِ آب سے ہو
بے خبر اس سے کہ آبِ دریا

جانِ ت جاتے کے رستے میں چلا
سیر کرنے کو لبِ گنگ آیا
آبِ گرمِ آہِ جگر تاب سے ہو
ردِ عن اس آتشِ دل کو ہوگا

[اتنے میں اکیس آگ کی بیٹیاں غسل کرتی
ہوئیں اور پانی سے کھیلتی ہوئی نظر آئیں۔
جن میں سے ایک "رشکِ برجیس" تھی۔]

گورا گورا وہ بھبھوکا سا بدن
بکھرے بالوں کی دھواں، بھین

قطرے یوں بالوں سے ٹپکے ہائے جوں شبِ تار میں ٹوٹیں تارے

جوہری کی تھی وہ صا حیزادی نہ ہوں تھی ابھی اس کی شادی
اب اگر اس کا سراپا میں کہوں کہو تجزِ نورِ خدا کیا میں کہوں

تلِ ذقن پر سے ہویدا دیکھو دل پر سے حُصا ل سویدا دیکھو
یا دجب آگئی گردن اس کی بچکی قلقل سے مراحمی کو بگتی

تھی کمر اس کی کہوں کیا یہ راز موج دریا نے حقیقت کا مجاز
یاں ملک پانی سے باہر تھا بدن تھی کمر موج لب بحر سخن

ہے تو بے قبر کدھر ہوش میں آ گفتگو ہوش کی کر ہوش میں آ
بکھرے تو سوئے بر آ نکلا تھا کدھر اور کدھر جا نکلا
تو سن سن کر کی پھر پھر عنان پر عرب سے بسوئے ہندوستان
گرم جولاں تو ادھر اور ادھر آہ حضرت عشق تری تکتے ہیں راہ
دیر لائے، اُسے تشریف، ہوں تیرے باعث اُسے تکلیف، ہوں
تھی غرض وہ بت غارتگر دیں ماہ رخ، مہر لقا، زہرہ جبین
غمرہ اور عشوہ، کبر شمع اور ناز سحر آنکھوں میں لبوں میں اعجاز
چار وہ سالہ بلائے مردم غیرتِ ماہِ شبِ چار دم

مثنوی کے کل شعر جو پیش نظر ہیں ۱۱۵ ہیں جن میں سے ۵۴ اوپر درج

کر دیے گئے ہیں۔ ان اوراق کے شروع کے پانچ شعر اور آخری آٹھ شعر بغیر کسی حذف کے شامل کیے گئے ہیں تاکہ مشنوی میں ممکنہ حد تک تسلسل قائم رہ سکے۔ درمیان کے تمام ضروری اشعار بھی لے لیے گئے ہیں جن سے میرے خیال میں ایک حد تک مشنوی کے کوالفٹ سے آگاہی ہو سکتی ہے۔

اس مشنوی کی اٹھان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مشنوی نختِ جگر سے زیادہ رواں اور جوہر شاعری سے لبریز ہے۔

فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی مکمل مشنوی دستِ یاب ہو گئی تو اس پر دوبارہ اور بہتر صورت میں روشنی ڈالی جا سکے گی۔

رسالہ بدیع البدریہ

اس نہایت کیا بے سالے کا ایک عمدہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ مرقیوں ہے:

رسالہ

مسمیٰ بہ

بدیع البدریہ

علم صنایع بدایع میں بزبان اردو
واسطے طلباء مدارس و شائقان سخن کے

من تصنیف شاعر پاک ال سخنور شیرین مقال مقبول بارگاہ لم یزلی
جناب منشی بال مکنہ صاحب بے قصہ سکند آبادی

حسب منشاء اشتہار

نواب علی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کشمیر ہند دامت اقبالہ

نمبر ۷۹۱ الف مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۶۸ء مندرجہ گورنمنٹ گزٹ ۲۶ اگست
۱۸۶۸ء جو بذریعہ ریلیوشن نمبر ۱۷۱ الف ۲۴ مئی ۱۸۶۸ء کے مشہور ہوا

مصنفہ ۱۸۷۰ء

مطبع دبیرہت در بلس شہر میں طبع ہوا جلد ۱۱۰۰

یہ رسالہ اگرچہ ۱۸۷۰ء کا مصنفہ ہے مگر مطبوعہ ۱۸۷۰ء کا نہیں بلکہ ۱۸۸۵ء کا ہے۔
خاتمہ الطبع کے تحت درج ہے ۔

” ایں نسخہ نایاب از تصنیف شاعر یکتاے روزگار

جناب منشی بال مکنت صاحب بے صبر متوطن قصبہ سکند آباد۔۔۔

..... بمآہ اگست ۱۸۸۵ء مطبوعہ گرویدہ فقط ۔“

اس کا موضوع بحث صنایع و بدایع کلام ہے۔ ہر صنعت کی تعریف و توضیح
کے ساتھ فارسی اساتذہ کے شانہ بشانہ بے صبر نے اپنے اردو اشعار بھی کثرت سے
درج کیے ہیں۔ اگرچہ آج صنایع بدایع کی کوئی اہمیت نہیں رہی تاہم بے صبر کے
زمانے میں شاعر کی علمی حیثیت انہی باتوں پر منحصر تھی۔ لہذا بے صبر کا کلام ان خوبیوں
سے مالا مال ہے۔ کل صفحات ۸۸ ہیں اور ان میں بے صبر کے لگ بھگ پونے چھ سو

اشعار سما گئے ہیں۔ ان میں سے وہ اشعار جو آگے چل کر انتخاب کلیات بے صبر میں شامل نہیں کیے گئے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ کچھ نثری اقتباسات بھی قارئین کی دلچسپی کے لیے شامل کر لیے گئے ہیں۔ صنعتوں کے نام بیشتر حذف کر دیے ہیں :

(۳) فقرہ (مرجز)

میرے مشفق مرے کرم فرما	تم کو ایزد ہمیشہ خوش رکھے
بندگی دنیا ز غمزر کے بعد	خاطر حق گزین پہ ظاہر ہو
شوق ملے گا اس قدر ہے کہ تو	عمر بھر بکھٹے تو نہ ہوے تمام

رقعہ (غاری)

”برادر جان کے برابر سلامت۔ بعد دعوات مزید حیات و ترقیات صوری و معنوی و دینی و دنیوی کے واضح ہو یہاں سب طرح خیریت ہے اور خیر و عافیت مزاج تمہاری جناب الہی سے چاہتا ہوں جب سے تم امرتسر کو گئے ہو خوشنودی مزاج اپنے سے مطلع نہیں کیا طبیعت مترو اور متفکر ہے چاہیے کہ فوراً پہنچتے ہی قیمہ ہذا کے مشرودہ صحت اور عافیت مزاج اپنے سے مطلع اور آگاہ کرو،
زیادہ دعا والسلام“

(۴) غزل

گہرائی سے کسی کی ستائی ہوئی سی ہے	اپنی طبیعت اب کہیں آئی ہوئی سی ہے
از خود یہ ہر گز اپنی نہیں سوزشِ جگر	یہ آگ تو کسی کی لگائی ہوئی سی ہے
قاصد جو کہہ رہا ہے کہ بنائی تیری بات	کچھ یہ تو بات اس کی بنائی ہوئی سی ہے
بوٹا سا قد چھریا سا تن چھپی سا رنگ	بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

کس قتنے کے شب گئے تم میں سچ کہو
نسبت ہمارے کیا دل نادان سے ہے اسے
پھوڑی جفا سمجھ کے جفا جو مجھے اسے
دست جنوں سے باقی ہے اک استیں سودہ
رہنے لگا تو مجھ غبار اس کے دل میں اب
ایکھا تو عطر خرس میں بسائی ہوئی سی ہے
بلبل کی طرزِ نالہ اڑائی ہوئی سی ہے
یہ بات تو کسی کی جتائی ہوئی سی ہے
تیزابِ اشکِ ترکی جلائی ہوئی سی ہے
یہ خاک تو صبا کی اڑائی ہوئی سی ہے

بے صبر روستے ہیں یہ نکلتے نہیں ذرا
رقت کچھ ایسی دل میں سمائی ہوئی سی ہے

(۷) قصیدہ

کیوں جبیں سے قد کا رتبہ ہونہ کم
ہو گئے لوح و قلم موجود جب
آشکارا ہو کر اشکالِ حروف
ہو گیا لفظوں میں معنی کا ظہور
لوح سے پیچھے ہوا پیدائش
ہو گئے اسرارِ سرِ رقم
بن گئے الفاظِ مل کر بہم
جسمِ حادث میں گئی روحِ قدم

عمرو دولتِ بیش و کم ہو حرص و آرز
مازکی بدخواہ کی ہو لاغری
دُرة الساج اس کا رکھ بے صبر نام
کیونکہ اس میں مدحِ خسرو و رقم
دہریں جب تک ہے نامِ بیش و کم
فرہی ہو جسمِ دشمن کی ورم

(۸) تشبیب — قصیدہ "زرفشاں"

زیں ہے فکرِ مضامینِ خالِ جاماں کا
خطِ غلامیِ خطِ جن و انس نے کچھا
ہر ایک نقطہ ہے نمونہ بارے یواں کا
ہر ایک مؤرخ کو منصب ہے یاں سلیمان کا

جو باندھے دہن تنگ یار کا معنوں
 دہن کو میرے صلے میں وہ موتوں گے بھرے
 جو حزن لب غیب کے دہن میں ہو قلم
 ہزار فتنہ تختہ جہاں میں ہوسا بیدار
 تو کیجیے قافیہ باتوں میں تنگ سحباں کا
 بھڑوں۔ میں ام اس کی شاعرانہ کا اگداں
 تو حزن صغیہ دیوان ہو چشمہ حیاں کا
 بیان دور ہو گزشتہ کی چشم فتاں کا
 نہیں نہیں یہی میں نے غلط کہا بیصبر
 کہاں ہے فتنہ کہ ہے دور شاہ دوران کا

۳۰ قطع

جب ہرے کھر کو لگا چلنے بدل کر وہ لباس
 ہل سکانے چل سکا حیران اپنا رہ کے آپ
 دیکھتے ہی آمنہ ایسا وہ شکر ہو گیا
 جفا اس کو آمنہ سد سکندر ہو گیا

قطعہ گر سامنے آنکھ کے نہیں وہ
 وہ تو مری آنکھ کی ہے پتلی
 بیصبر شکایت اس کی کیا ہے
 گر پیش نظر نہیں بجا ہے

رباعی

اے اے کہ ہیں ایک ہم اور کام بہت
 رہتا ہے یہاں کم کم اور کام بہت
 درپیش ہے راہِ عدم اور کام بہت
 افسوس ہے زندگی کم اور کام بہت
 رباعی

وحشت تہ خاک بھی ہماری نہ گئی
 زیاد و فغاں و آہ و زاری نہ گئی
 سیلاب کو مرکز قرار آتا ہے
 ہم مر گئے پھر بھی بے قراری نہ گئی

رباعی جب صبح ہوئی تو یادِ شامت آئی گویا بیصبر اک قیامت آئی
آخر ہوا دن تو زلف کا دھیان بندھا اب شام آئی اور یہ شامت آئی

رباعی گھر آئی گھٹا یہ ناگہانی کیسی تیار ہے برسانے کو پانی کیسی
یاں مئے ہے نہ جام ہے نہ ساقی بیصبر آئی یہ بلا سے آسمانی کیسی

رباعی اس چشم نے طور یہ نکالا کافر دیکھا اس کو کرہی ڈالا کافر
کالوں جو مثل سنی وہ آنکھوں بکھی جادو برحق ہے کرنے والا کافر

بیت منجھتے مجھ کو کہا وقتِ طفلی یہ لڑکا جوانی میں بیصبر ہوگا

ولہ غم رہو کھاتے، لہو پیتے رہو حضرت دل واہ وا جیتے رہو

حکایت تھا کسی مرشد کا مرید اک جوان بکری کا بچہ اسے دے کر کہا
کوئی نہ اس کام کو دیکھے جہاں سن کے روانہ ہوا وہ ہوشمند
پیر نے ایک روز بے امتحان ایسی جگہ ذبح اسے کر کے لا
دیکھے جہاں کوئی نہ کر ذبح داں لیکے چھری اور بچہ کو سپند

آیا پھر انجام کو ناکام وہ
ایسی جگہ کوئی جہاں ہو نہیں
حاضر و ناظر نظر آیا خدا
دی بختے اللہ نے عین الیقین
خالی خدا سے نہیں اک ذرہ جا

صبح سے پھر تار ماتا شام وہ
پیر سے بولا کہ نہیں ہے کہیں
شہر و بیاباں میں جدھر میں گیا
پیر نے خوش ہو کے کہا آفرین
سچ ہے کہ بیرون و درون ہے خدا

جس کو ہوا دیدہ بینا نصیب
بت وہی بے صبر خدا کے قریب

حکایت

رہتا تھا برنگ عشق در دل
ہر زور سے دور تھا دل اس کا
دستور یہ اس کا تھا ہمیشہ
یا طفل حسین و یازن خوب
بوسہ دینا لب صد تالف
دیکھا اور ہو کے خوش کیا غور
بے نیش کے نوش کا مزا ہے
ہے دونوں جہاں میں سعادت
لطف اپنی جوانی کا اٹھاؤں
جاستے ہی ہوا مرید اس کا
مرشد کو ملا مرید مرشد
مرشد کے رکھا قدم قدم پر
لنگ رہ عشق بیٹھا ہو کر

اک شہ میں اک فقیر کامل
گنجینہ نور تھا دل اس کا
تھا عشق زبسکہ اس کا پیشہ
جو رو برو آتا اس کے محبوب
رخسار پر اس کے بے تکلف
اک دن اک بھوس نے یہ طور
البتہ فقیری بے عجب شے
بت عیش بھی اس میں اور عبادت
اس پر کاگر مرید میں ہوں
یہ سوچ کے وہ لب صد تمنا
یکجا ہوئے علم و جہل دو ضد
نے ایک قدم چلا وہ تھم کر
سنگ دل بت سے کھا کے ٹھوکر

جو دوڑ چلے اوگھٹا کر سبے
 آئی نظر اسکو اور وہ خوش
 رخسارہ نازیں لیا چوم
 دیے ہوئے اس کے ہونکے برہم
 گھونسی لات اور طمانچے پڑنے
 اک بال نہ سر پہ اس کے چھوڑا
 اچھے پڑے سر منڈاتے اولے
 کی ساری سرگذشت تقریر
 خاطر کی اس کی اور تسلی
 لے آیا لبسار کی دکان پر
 سو بار سے چوم کر کہا ہاں
 لے یعنی اگر ہے لذت قند
 اور رہ گئے خاص و عام ششہ
 چومے وہ بتوں کے لعل خنداں
 الفت کے روا ہیں سکو سکھو دکھ

دل میں مرے مثل پھرے ہے
 یعنی اک روز اک پرپوشش
 دوڑا اور مثل طفل معصوم
 یہ دیکھ کے تھے جو حاضر اس دم
 مل کر نگے خوب اس کو گھڑنے
 پاپوش کا لوثا ایک جوڑا
 جب خوب ٹھکے تو آپ بولے
 ہٹ کٹ کے گیا بخدمت پیر
 مرشد نے باعث بزرگی
 اور ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر
 تھا آگ میں لال ایک سنداں
 تو بھی چوم ایک بار فرزند
 یہ دیکھ کے گر پڑا وہ ڈر کر
 سچ ہے چومے جو گرم سنداں
 دکھ میں جیسے دکھ نہ سکھ میں ہو سکھ

بے قبر ہے عشق سخت مشکل
 آسان کہے تو ہے وہ جاہل

حکایت

انا الحق کے کہنے پہ منصور کو
 تو چاروں طرف سے ہوئی مار مار
 ولے آہ کرتا نہ تھا وہ ہنریر
 وہ تھاخوں میں سرخ اور تھا رنگ زرد

سب اہل شریعت نے جب جمع ہو
 کیا دار پر کھینچ کر سنگسار
 برسینے لگا اس پہ پتھر کا ابر
 نہ لگتی تھی چوٹ اور نہ ہوتا تھا درد

کھڑا ہو رہا ایک سو وہ جوان
کہ تو کیوں نہیں مارتا تو بھی مار
تو ہو گا یہی دم میں تیرا بھی رنگ
چنبیلی کا پھول اسکے تھا جو کہ پاس
کہ منصور بس ہو گیا لوٹ لوٹ
لگے کہنے منصور سے ہے عجب
اور ایک پھول سے یہ ہوا تیرا حال
کہ ضرب جاں ہے وہ تھی ضرب تن
مکان خود ہے بہر شاہ مکیں
نیکوں رد ہوں وہ اور نہ نکون قبول

ہوا واردا اس وقت شبلی بھی واں
کہا اس کو جب مومنوں نے پکار
اگر اب نہ مارے گا تو اس کے سنگ
یہ سن کر دیا مار ہو کر ادا اس
لگی پھول کی اس قدر سخت چوٹ
یہ دیکھا تو حیران رہ کر وہ سب
کیا پتھروں کا نہ تو نے خیال
کہا کیا ہی خوب اس کے اس دم سخن
خطر جان کو ضرب تن سے نہیں
وہ تھے سنگ کوران یہ بنیا کا پھول

۵

جو بے صبر ہو واقف جسم و جاں
وہی اس کہانی کا سمجھے بیان

حکایت

ایک تھا انیس مرید اور ایک میر
کام کھیتی کا مرید حق گزار
مانگنے کی ہونہ ہر روز احتیاج
سارے کاموں سے بڑا کرنا سوال
تھا اکیلا وہ مرید نیک روز
کھیت میں اسکے لگا کرتے زیاں
لیکے سونٹا واں مرید یا شتاب
ایک اوپر جا کے پہنچایا گزند
اور کہا چلا کے بیٹا مار مار

ایک تکیہ تھا اور اس میں دو فقیر
پیر کرتا طاعت پروردگار
تا کہ ہر قوت ہو پیدا اناج
کیونکہ ہے نزدیک ارباب کمال
اتفاقا تھا نہ واں پیر ایک روز
ایک گل بکریوں کا آ کے واں
دیکھ کر کھیت اپنے کو ہوتا خراب
ہر طرف جو پھرتیاں تھیں گوسپند
آگیا اتنے میں پیر تختہ کار

یہ صد اسن کر مریدِ رمز داں
اک مسافر تکیہ میں اس وقت تھا
اے میاں تو کس طرح کا بے فقیر
اس نے فرمایا تھا تجھ کو مار مار
ہنس کے وہ کہنے لگا اے راغبیر
پیر کا یہ مجھ سے کہتا مار مار
بلکہ یوں کہتا تھا مجھ سے وہ بزرگ
گرگِ نفسِ شوم کو پہنچا گزند
سچ ہے یہ بے صبر قول و لفروز
بسکھے ہے عاشق ہی عاشق کے رموز

حکایت

ایک مفلس تھا شہر میں مشہور
کارِ گل اس کے گھر کیا کرتا
ایک دن اتفاقاً اس کو وہیں
سنگِ خوش رنگ جو خیال کیا
ہو گیا پھر وہ جب کہ نابینا
جا کے پوچھا طبیب سے دریاں
صرف تیری دوا ہے لالِ یمن
جا کے پھر جوہری سے اس نے کہا
میری بینائی کی وہی ہے دوا
جوہری کو دے نہ رحم آیا
آیا مایوس ہو کے اپنے گھر
تھا وہ اک مالدار کا مزدور
زندگانی بسر کیا کرتا
پایا مٹی میں ایک لال کہیں
جیب میں اپنی اس کو ڈال لیا
ہو گیا مرنے سے تیر جینا
دیکھ کر کہنے وہ لگا کہ میاں
اس کو دیکھے تو آنکھ ہو روشن
کہ مجھے لال دیجیے دکھلا
رحم مجھ پر کرو ہراسے خدا
لال بیچا ہے کو نہ دکھلایا
بھوکے مرنے لگے زن اور پیر

رہا کھانے کمانے سے معذور
اس کی عورت نے ایک دن دیکھا
رہی حیران اور دکھایا اسے
کیا بجٹ دیکھا منور ہے
طرفۃ العین میں ہوئی بینا
پاس تھا اور نہ میں نے پہچانا
کھائی ہیرے کی مفلسی نے گئی
جابی کرتا ہے عبث تو تلاش

ایک مدت تلک رہا وہ کور
لال جو اس کی جیب میں وہ تھا
لیکے اس نے جو دھویا پانی سے
کہ تیری جیب میں جو پتھر ہے
پڑتے ہی اس پہ چشم تا بینا
ہے یہی لال اس نے جب جانا
الغرض ہو گیا فقیر غنی
لال ہے تیرے پاس اے تلاش

۹

پاس بے تھیرے دُر پُر نور
جب تلک جانتا نہیں ہے کور

حکایت

تجھے چل تیری یلیٰ سے ملا دوں
ملانے تو لیے جاتا کہاں ہے
ایکسا سا کن دیرانہ ہے تو
اگر ہے کیوں نہیں آتی نظر میں
وگر نہ دیدہ و دانستہ ہے زور
نظر اک اپنے تن کے آتے ہیں دو
جدا یلیٰ سے میں اک پل نہیں ہوں
تو مرجاؤں ٹرپ کر ایک پل میں
تو ہو کس طرح میری زندگانی
کہیں بے جان جی سکتا ہے انسان
جو عاشق ہو تو ہو ایسا ہی عاشق

کہا ایک شخص نے جا کر کہ مجنوں
کہا یلیٰ تو میری بریں یاں ہے
کہا اس شخص نے دیوانہ ہے تو
یہاں یلیٰ کہاں ہے تیری بریں
کہا مجنوں نے تو شاید کہ ہے کور
کہا اس نے مگر احول ہے تو جو
کہا مجنوں نے میں احول نہیں ہوں
اگر یلیٰ نہ ہو میری بعسل میں
اگر بریں نہ ہو وہ یارِ جانی
بدن ہے قیس و یلیٰ کہیں بے جان
میاں بیہتر تھا عاشق ضاوق

مل گیا دشت میں اک پتھر شیر
اور لیا دودھ پلا اس کو ہلا
اور بچوں کی طرح پیتا شیر
بکریوں کی تھی جدائی اسے جبر
دیکھ عکس اپنا ہوا وہ بیتاب
بکریوں کا سا نظر آیا یہ طور
ایک پھر کون ہوا جانا یہ نہیں
کہ کئی روز کے پیچھے اک روز
بکریاں بھاگیں اور اس نے منہ پھیر
عکس سے اپنے مقابل پایا
کم نہیں کم نہیں میں بیش ہوں بیش
بڑ نہیں بڑ نہیں میں شیر ہوں شیر
جا ملا شیر سے بے خوف و گزند
بڑ ہوا شیر کہو تر ہوا باز

تو بھی بے صبر نظر کر سوی ذات
کہ تو ہے ذات نہیں ہے تو صفات

حکایت، گلہ بان گو کہ وہ تھا مرد دلیر
اس نے گلہ میں لیا اس کو ملا
جانتا بکری کو مادر وہ اسیر
جانتا آپ کو بکری وہ ہزبر
ایک دن پیتا تھا پانی لب آب
کیونکہ شکل اپنی نظر آئی اور
بڑ نہیں ہوں میں ہوا یہ تو یقین
اس لیے رہتا تھا حیرت اندوز
اتفاقاً نظر آیا اک شیر
اس کو دیکھا تو اسے ہوش آیا
جانا جب سنے کہ بڑ ہوں میں نہ بیش
بڑ بزدل نہیں ہوں شیر دلیر
الغرض کر کے اک آواز بلند
آٹھ گیا بیچ سے جب پردہ راز

ترجیح بند

ابرو شمشیر ہے قضا کی
امید نہ تجھ سے ہوتی کی
ہے بیکری کس قدر قضا کی
میرے دل درد آزما کی

گیسوز نجیر ہے بلا کی
اسے وعدہ خلاف کرنے وعدہ
قاتل ترے ناوک نظر سے
آب کرتا ہے درد آزمائش

گر ظالم و ستم ہی ہیں تیرے

بند

الفت سے تری حذر کریں گے
کب اٹھتے ہیں ہم تو سوسستم کر
خط لکھنا ہی گر خطا ہے میری
شاید وہ مسیح دم چلا آئے
امید وصال چھوڑ مجھ کو
آتا ہے تو آؤگر نہ ظالم

تو ہم کو بھی ہے قسم خدا کی

تجھ سے قطع نظر کریں گے
بیٹھے ترے در پہ اب تو جسم کر
تو ہاتھوں کو میرے تو قلم کر
ای مرگ تامل ایک آدم کر
کھوٹ نہ مری رو عدم کر
قطع امید و وصل ہم کر

ترکیب بند

رسم سیکھی یہ کہاں ہو جانا
ہے یہ پہچان کی میری پہچان
عشق میں کیا ہے عجب خبط جنوں
گر یہ راز نہ ہنساں کا میرے
سخت جاں ایک ہمیں بھی جانو

لیکے دل دشمن جاں ہو جانا
دیکھ کر مجھ کو نہ ہنساں ہو جانا
وہم سودا خفقاں ہو جانا
قہر ہے تجھ پہ عیاں ہو جانا
تم اگر سخت کساں ہو جانا

بند

دل دیا تم کو خطا کی ہم نے
ترک الفت تری ٹھرنے کا نہیں
گر دوا آب بقا ہو قطرہ
غم کے کھانے کا ہے گر برہنہ
سو بلا کیوں نہ مرے آگے آئیں

آپ اپنے پہ جفا کی ہم نے
سکھوں سے ترے ڈرنے کا نہیں
حلق سے میرے اترنے کا نہیں
مرض عشق ابھرنے کا نہیں
پالو پیچھے تو ہیں دھرنے کا نہیں

نہ بھروں آہ تری مجلس میں اس کی ہاں تو میں بھرتے کا نہیں

بند

جب کیا عشق تو کیا ہے ڈرنا
آخر اک روز ہے مجھ کو مرنا

ترکیب بند

تو نے لیتے ہی دل جدائی کی
نالوائی صد آفریں تو نے
نہ بے بال و بر تو مجھ کو امید
دیکھو بے وفائے رہ جاوے
آج اکبر بدن سے سر بخدا
بندے کے دل تو نے کی دل آزاری
تشنہ گرتو مرے لہو کا ہے
جب سے کھایا ہے تو نے غم کا پان
پر پروانہ نظر جسل جائے
مول خنجر کو لے نہ پھیر کہ یہ
میرے زخم جگر میں اے بیہوش

واہ کیا خوب دلربائی کی
خوب ہی زور آزمائی کی
نہ رہی ہاں اب رہائی کی
ہو س آئندہ بے وفائی کی
ہنیں طاقت مجھے جدائی کی
کی ادا خوب شرطِ دل داری
زخم کھانے کا دل بھی بھوکا ہے
تیرے عاشق نے خون تھوکا ہے
شمع رو تو وہ اک بھوکا ہے
پھرنے والا مرے گلو کا ہے
کام مرا ہم کانے رفو کا ہے

وہ دل افکار کب جتے جس کے

زخم تیر نظر نگے کاری

بند

(صل) مثلث :

در قتلِ ماچہ شوخ خود آرا بہانہ ساخت
مارا بغضہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
خود سو سے ماندید و حیارا بہانہ ساخت

۱۔

مکار ہے وہ خوب اسے جانتے ہیں ہم
دستے بدوش غیر نہاد از رہِ کرم
مارا چو دید لغزشیں پارا بہانہ ساخت

-۲

دھب دید کا لگانہ کہیں جب کہ زینہار
رفتم بمسجد سے کہ بہ بینم جمالِ یار
دستے بروکشید و دمارا بہانہ ساخت

-۳

ثابت تھا اس پہ قتل کا دعویٰ کہ بیگمان
آلودہ بود پنداشش از خونِ عاشقان
این طرفہ مکر میں کہ حسارا بہانہ ساخت

-۴

بیصبر اس میں شک ہے نہ کچھ اور نہ کچھ گماں
زاہد نہ داشت تابِ جمالِ پریرِ خساں
کبھی گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

-۵

مربع

گئے خزاں کے دن اور موسم بہار آیا
شراب سے مجھے ساقی کہ آگیا ساون

اُمنڈ کے چاروں طرف ابر ہیشمار آیا
نیادختوں میں برگ آیا اور بار آیا

-۱

۲۔ شراب پینا ہے ایسے میں فرض آئے بیہوش
 اگر نہ شیخ پیئے تو پلا اُسے بھی بہ جبر
 کہ ہے یہ برق یہ ہے رعد یہ ہوا یہ ابر
 یہ گل یہ سبز یہ آبِ رواں ہے اور یہ حمن

المخمس

۱۔ جہاں میں ہمیں آئے ہیں کیا برا سے فراق
 نہ شکل وصل نہ دیکھی کبھی سوا سے فراق
 دروغِ فرقت و افسوس، ہجر و با سے فراق
 کسے مباد و حمن خستہ مبتلا سے فراق
 کہ عمر من ہمہ بگذشت در بلا سے فراق

۲۔ فراق نے یہ مرا کر دیا ہے ناک میں دم
 کہ مر بھی جائے اگر وہ تو ہوں نہ میں خرم
 ولے جو دسترس انتقام ہو تو صنم
 فراق را بفراق تو مبتلا سازم
 چمنان کہ خون پچکا خم ز دیدہ ہا سے فراق

۳۔ یہی آپ ہیں تو اک روز میں جل جاؤں گا
 راکھ ہو جاؤں گا اور خاک میں رل جاؤں گا
 جان سے اپنی اگر ہے یہ خلل جاؤں گا
 مرضِ عشق سے گر اس کے سبھل جاؤں گا
 تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا

جو اذیت مینے پائی یا مرے مشکل کشا
 سو تمہیں سب کہہ سنائی یا مرے مشکل کشا
 کیجیے حاجت روائی یا مرے مشکل کشا
 قسہ غم سے دور بان یا مرے مشکل کشا
 کیجیے مشکل کشائی یا مرے مشکل کشا

مسدس

۱- مدت سے شب وصل کے موتی کی خبر تھی
 سو آج وہ شب شک شب قدر مگر تھی
 کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شب وصل کہہ رہی تھی
 ہر شام سے تاج نظر جانب در تھی
 لیکن نہیں معلوم گھڑی تھی کہ ہر تھی
 نکل لطف سے رخ پر جو نظر کی تو سحر تھی

۲- جب یہ سنا تھا کہ وہ ہیں غارم پنجاب
 بیتابی سے لوٹوں تھا پڑا صورت سیما
 کیا وقتِ دُعا صہم اک لہی تھا بیتاب
 تھا آہ اسٹی و ز سے ترک اپنا نور و خواب
 تھا دیدہ گریاں سے رواں شک کا سیلاب
 سینہ میں مرے جان بھی سرگرم سفر تھی

۱۴ المسبوع

فناں ہے آہ نالہ ہے شور و غل ہے غوغا ہے
 طیش ہے در و دل ہے دردِ کر ہے دردِ افسا ہے
 تعب ہے بے نام ہے غم ہے اور عفا ہے
 جنوں ہے ضبط و حشمت ہے ہول ہے سودا ہے
 قلق ہے بے قوری ہے و ہم ہے غفلت ہے کتا ہے
 مصیبتِ اذیت ہے تم ہے دکھ ہے ایندہ ہے
 خدا محفوظ رکھے عشق سے قبر الہی ہے

۲ پریشانی ہے حیرانی ہے سزائی ہے اور زاری
 پروردے دے دے ہے بے سہاگ ہے یہ بیماری
 پشیمانی ہے بزمی ہے سوئی ہے اور خواری
 بخوبی اس میں سے مرنا بھی جو دنیا بد خواری
 جہاں ہو جس سے ناحق دشمن جال ہے وہ کیا بار
 غضب ہے قہر ہے آفت ہے شامت ہے تباہی ہے

المثنیٰ

۱۔ ابر برسنے لگا پھول گیا لالہ زار
 سنبل تر ہوئی باد صبا مشکیار
 لوکی ہواتے رستے خوب اکٹے شرار رکڑا
 ہلکی ہنفسے کی بو ہو گیا گلشن تنہا
 آگئی فصل بہار کھل گئے گل بيشمار
 اکٹے لالہ ہے توتڑ سے ہزار ہزار
 جانوروں کا ہے شور بر سر ہر شاخسار
 آتی ہے کس مہوم سے فصل بہار بجی سال

۲۔ نیر اعظم ہوا دلو میں رونق فزا
 پھول کی سرسوں کا کھیت تختہ زیر ہوا
 آیا بسنت اور ہوئی معتدل بھی ہوا
 ہاتھ پر اپنے بسنت سرسوں جانے لگا
 نکلے جوانان باغ سچ کے بسنتی قبا
 پھول کہیں زعفران اور کہیں چمکا کھدا
 کھل کے گل اشرفی بسکڑے رافشاں ہوا
 ہو گئے سارے نہال گویا کہ زرد سے نہال

ملتے (۱)

گھٹا ہو رعد ہو بجلی ہو تاریکی ہو باران ہو
 ہوا ہو سردی ہو اور سبز دامن بیاباں ہو
 پتیا کوئل اور طاؤس صرف خوش الحان ہو
 رنگبیلہ بنگلہ ہو کوئی اور صحن گلستاں ہو
 پچھا ہو فرش روشن شمع ہو اور عود سوزاں ہو
 کھنپا رنگیں مکلف اک پھر کھٹ بھی پڑا دامن ہو

گزرک ہو جام ہو مینا ہو دور سے پرستان ہو
اور اپنی بریں وہ غارنگر دل آفت حسان ہو
تو پھر میں بھی کہوں اسے ابرہان دن رات برسا کر

بغل میں اپنی دلبر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
پیالے دور ساغر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
ہمارا بخت یاد رہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
نہ کچھ خوف اور نہ کچھ ڈر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
کنار و بوس شب بھر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
مراد دل میسر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
ملاقات آج ہو یہ ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
اگر یوں ہو تو بہتر ہے اگر یوں ہو تو بہتر ہے
یہ سب سامان تو میرے لیے یارب مہیا کر

(۱) معشر

اگر میں جانتا دل دیکھے دکھ بانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا تلملانا گھٹنا گھبرانا بھی ہوتا ہے
لہو پیتا جگر کا بخت دل کھانا بھی ہوتا ہے
اٹھنا زو پہ زداور غش پش آنا بھی ہوتا ہے
کہانا پاؤں سودائی دیوانہ بھی ہوتا ہے
بنا حق دشمن جان اپنا بیگانہ بھی ہوتا ہے
مجانا شور رونا آہ بھلانا بھی ہوتا ہے
سُکن چلنا پھکن خاک ہو جانا بھی ہوتا ہے

پشماں ہونا نادم ہونا پچھتا نا بھی ہوتا ہے
 تو سرگز دل نہ دیتا اور نہ ایسا خوار ہوتا میں

۲۔ نہ جان برجس سے ہو کوئی وہ بیماری ہے اور میں ہوں
 نہیں ہے چارہ گراب سخت نا چاری ہے اور میں ہوں
 دنوں بیتابی اور راتوں کو بیداری ہے اور میں ہوں
 فغاں ہے آہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں
 گنہگاری ہے اور میں ہوں گرفتاری ہے اور میں ہوں
 بڑی مشکل ہے اور میں سخت دشواری ہے اور میں ہوں
 فغاں ہے گریہ ہے زاری ہے بیزاری ہے اور میں ہوں
 عجیب سوالی ہے بدنامی ہے خواری ہے اور میں ہوں
 گمے ہے اشکباری گاہ خونباری ہے اور میں ہوں
 نہ پوچھے ہے کوئی بیہوش اور پھرتا ہوں روتا میں

رباعی مستزاد میں نے کہا اس سے ہوں میں بیتابی۔ قرار
 فرقت میں ہوں تیری لینے جی سے بیزار۔ کرمجھ پر نگاہ
 یہ سن کے وہ بگڑا اور اٹھا کے تلوار
 کاٹا مرنے تن سے سر کو کر کے اک وار۔ ہجر و گناہ

شعر مستزاد

غیروں سے ہے الفت تجھے اور مجھ سے عداوت۔ اے شوح خود آرا
 نفرت ہے تجھے مجھ سے رقیبوں سے محبت۔ ہے اسکا سبب کیا

رباعی مستزاد بیصبر نہ مل اس سے تو پختا عے گا۔ دیکھ اس کا جمال
دل زلف میں الجھا کے نہ سلجھا عے گا۔ ہو گا یہ و بال
جان بھی دیکر نہ جانے وہاں پائے گا۔ ہے امر محال
دل لیکے نہ وہ خواب میں بھی آئے گا۔ کیا ذکر خیال

مستغرق سر کٹانے سے تو قاتل مجھے انکار نہیں۔ گریہ ہے تیری رضا
سر سے اپنے سر موجد کو سر دکات نہیں۔ ابھی تلوار اٹھا
قتل بے قصیر میں ناحق کی یہ تاخیر ہے کیا۔ طلب تیرے کیا
بس ہے ابرو ہی تری حاجت شمشیر ہے کیا۔ کرا اشارا تو ذرا

(۱۵) التزم (مصرعوں میں کلمے کے برابر کلمہ لانا)

گیسوز بخیر ہے بلا کی	ابرو شمشیر ہے قضا کی
معذور ہوئی زبان سخن سے	معذور ہوئی تو ان بدن سے
سلطان جہاں گدا ہیں تیرے	خوبان زمان فدا ہیں تیرے
جس قدر مجھ کو تجھ سے الفت ہے	اس قدر تجھ کو مجھ سے نفرت ہے

تجنیس تمام

گلے میں ہے گریبان زری کاؤں میں بالہ ہے
یہ سچ ہے ماہ نو سے بدر کا رتبا و بال ہے
کیوں مہک جائے نہ پھر اس شخص کا سارا بدن
جس کے برسن ہو وہ رشکِ غیر سارا بدن

نجیس ناقص

دی صبوحی میں درد ساقی نے کہ فنزوں میرے سر میں درد ہوا

درم ۱۱، تجنیس زائد

سوداے سر کو اپنے اگر بیچ دے مسود
وہ چشم تو انسان کو بیمار ہی ڈالے

وہ سودیاتی رہتا ہے جس کو زبان نہیں
پر زلف وہ کافر ہے پس مار ہی ڈالے

مثنوی

آجائے نظروباں کا گر سیب
ہے وہ بخدا مکانِ خوباں

بہمین ذنوں کو پہنچے آسیب
کیا کہئے مکانِ کانِ خوباں

قسم ثانی

ہوتا کہ نہ دانشیں وہ قامت
جس قدر میں کمر میں اس کی بل

مصرعہ ہونہ موزوں تا قیامت
اس کی زلفوں کیے بال میں بھی نہیں

ابیات

دیکھوں قیامت آتی ہے کیا میری جان پر
وعدہ ہوشام کا ہے تو بتایوں سے ہم

پھر سینے میں نہیں میرے ما کو قیام آج
مگر صیاد کا جال آنکھ کو بھلی کی جالا ہے

شامت میں ہیں کہ دیکھتے کہ بگ کی شام آج
وہ اندھی ہے جو اس میں بد و دانستہ آتی ہے

جو کمینہ ہے وہ کرتا ہے کمینہ پروری
کیوں نہ قدر غیر ہو گردوں ہی گردوں ہو گیا

خوں کے عوض اسکا خوں بہادو مجھ بیوہ کو میرا خون بہادو

دعا، ایکات

چشم رکھتے ہیں سدا اپنی یہ ہم چشموں سے
کہ نہ شرمندہ دم گریہ ہوں ہم چشموں سے
بکاڑی بات میری اور بنائی اس سے بات اپنی
رقیبوں کی بن آئی ہے خدا کی کیا خدائی ہے

تجنیس مکرر

ہیں اس پری کے حسن و نزاکت کی کان کان
دکھلاتا ہے نئے نئے بال ہر آن آن
جھلکے ہے جان تن سے قبا سے برنگ تن
تو اس کے تن کو جسم لطافت کی جان جان

تجنیس مطرف

نار ہے بے یار ہر قطرہ شراب ناب کا
خوار ہے ہر مست اس کی نرگس پر خواب کا
دل ہمارا کیوں نہ اس محبوب کا مجوس ہو
ہے کند ایک ایک تار اس کیسوئے پر تاب کا

تجنیس خط

بام پر برتری کے چڑھنے کو رتبا افتادگی کا زینا ہے

دعا، رعایت فتحات

باراں ہے بہار ہے چمن ہے اے یار لاجام شراب کا لبالب بھر کر

رعایت ضمانت
خوب کھتم مجھ کو دو جو ہو سو ہو
رعایت کثرات
جتنی بن تیرے زندگی کی
لاشتقاق
لستے دن میری زندگی تھی

کچھ نہیں کہتے ہیں خواہش اور اگر رکھتے ہیں ہم
مرن اک نظارہ منظور نظر رکھتے ہیں ہم

اک منور منیر نور ہے تو
منظہر وظاہر ظہور ہے تو
مقلوب بعض
تینغ و سپر باندھ کر آیا وہ افغان پسر
باندھی ہے اس نگر قتل پر میرے مگر
مقلوب کل

وہ ہوا رخصت تو مرنے کا بندھا اک تار رات
ہے حیرت کر سکا اس سے نہ میں بیتاب بات

منہ بچوں کی آج ہے محفل میں دورِ جام جم
مجھ کو کیا یارا جو ماروں زہد و تقویٰ کا میں دم
مدعی تو ہو تو ہو بے صبر ہیں معذور ہم
مہ جہیں جب جام مے دے پھر کہاں ایماں کا غم

دعا ۱۹

ماش پر پڑھتا ہوں افسوں اس کا لے لے کر میں نام
مان لے کہنا وہ میرا تاکہ اور ہو جا سے رام

مار زلف اس کے کو کیلوں اور پکڑ لوں لا کلام
مالک اس طور اس کے گنج حسن کا ہوں صبح و شام

(مدحہ ۲) الرد العجز علی الصدر ابیات

جہاں میں بیٹھتا ہوں دیتا ہے وہاں سے اٹھا
بس اب تولے مجھے اللہ تو جہاں سے اٹھا
جم اس در پر گئے جب ہم تو اپنی
نظر میں کچھ سکندر سے نہ جم ہے
یقین جب قسم وعدہ پر ہمیں آوے
جو پہلے جھوٹی قسم کھانے کی قسم ہو جائے
ہنس پڑا وہ دیکھ کر میرے شکست رنگ کو
فتح پائی حسن نے اور عشق نے پائی شکست
لے اٹھا دست جفا سر سے مرے گردوں ارے
پھونک دیتی ہے زبردستوں کو آہ زبردست

بھگو سکتا سا ہو گیا ہے کچھ نہیں جبکو میں دیکھ سکتا دیکھ

آج خولوں پر چڑھا پھر تائیہ افغان سر کل جو سن پایا تھا میرے مالہ افغان کو

(مدحہ ۲)

منتخب ہے بتان ہنہ میں وہ
جمع الاحباب ہے تربیت ہری
شان حق کیا تھی کہ ہم سے اس قدر یار نہ تھا
چاہو پھر انتخاب کر دیکھو
رہتے ہیں آنکھوں پہر محبوب جمع
اسکا وہ دست نگارین اپنا زیب شانہ تھا

کہ میں الفت میں پائمال ہوا
فکر اشعار کیا کرتے ہیں
کہیں پاتے ترا نظیر نہیں
نایاب ہمیں ہیں کرنام و نشان نہیں
دیکھیں گے الہی کبھی بیدار ہوئے ہم

مال و جاں کھو کے ہاتھ ملتا ہوں
بسکہ بیصیر شاعر اپنا ہے تسکر
گر نظر کرتے ہیں دو عالم میں
عشقا کا نام تو ہے نہیں ہے اگر نشان
اس طالع خفتہ کو بھی جوں دیدہ بیدار

دھڑ ۲۲

جفا کی ہے ارے ظالم جفا کی
مقتل عشاق سو دے سر ہے
پراک اور مشکل کہ بال اور نہ پر ہے
کہ اسکی راہ دیار عدم لبوں پر ہے
ظاہر و باطن میں ہے تیرا ظہور
کیون پھر اسکی سواری یہ تحمل نکلی
کینہ ہے جور ہتا ہے کیس میں

جفا کی ترک تو نے کیا خطا کی
غضبناک باندھے وہ تیغ و سپر ہے
اگرچہ مشکل چھٹے ہم نفس سے
مزا ہے خواہش بوسے میں ہوں جو ہم معدوم
سب نور تجھ سے ہیں تو ہے وہ نور
سینکڑوں جس شبخوایاں کی جلوں ہوں حیل
شرافت کب ہے چرخ چنبریں میں

دھڑ ۲۳ رباعی

ساعر سے بجز سحر نہ ہو کچھ ظاہر
جاد و برحق کرنے والی ہے کافر

چشم اسکی ہے سحر اور وہ کافر سحر
ظاہر ہے کہ اس نے کیا بھ پر جادو

رباعی

دم بھر بے گریہ ہے نہ چشم پر غم
نمناک بچیوں وہ ہو کہ غمناک ہیں ہم
ہم غم کے شفیق اور ہمارا ہے غم
غمخوار رقیق دوست مونس ہمد

(۲۴) غزل

کون دنیا میں میرا ہمسر ہے
آتے ٹھوکر ہے جاتے ٹھوکر ہے
پالوں میں میرے ایک چکر ہے
طشت ہے سر ہے اور خنجر ہے
اس کا دعویٰ غلط مرا سر ہے
گہر و غسل و زردی سر ہے
سر شاہ و گدا برابر ہے
سروارانِ جہاں کا افسر ہے

میرا سر آج زیرِ خنجر ہے
میرا سر اس کی راہ کا ہے سنگ
دشت و حشت میں ہوں میں سرگرداں
گر میری گنہ کشی ہے تو آ
ہم سہی سر و گھر کرے اس سے
اشک و لختِ دل اور داغوں سے
سنگِ در پر ترے بوقتِ سجود
خاک اس کی گلی کی لے بیضر

بے خطا مجھ سے ہوا کیا باعث

آج وہ لعبتِ چیں چیں بجیں

غزل

تپہ بھی تجھ کو نہیں مجھ بزرگاہ
ضعف سے آنکھوں میں م آیا ہے آہ
کیا کیا میں نے بھلا تیرا گناہ
جال بے دل کا تری زلفِ سیاہ
موت بھی مجھ کو نہیں آتی ہے آہ

عشق نے تیرے کیا مجھ کو تباہ
زندگی آتی نہیں مجھ کو نظر
قتل پر ماندھی ہے جو میرے کمر
پھنس کے تو نکلا نہیں اس سے کوئی
جان سے آیا ہوں میں بیضر تنگ

(۲۵) غزل

توڑ آسماں کو آہ ہماری نکل گئی
افسوسِ فصلِ بادِ ہماری نکل گئی
آتے ہی میرے آنکی کناری اگل گئی

پشکا جو ہم نے سر تو زمین ساری ہل گئی
راہی کریں شکاری کو جب تک ہائی پر
یاسے ہوا شکون تو اچھا کہ میان سے

مڑتا ہوں میں بن آئی اور آتی نہیں ہے وہ
 چھانگیا بدل کہیں بیصبر صاحب ہ
 قسمت کی کیا مری کہیں ماری اہل گئی
 دور وز میں ہی شکل تمہاری بدل گئی

غزل

میں نے جو کہا آہستہ مغرور دے کو
 افسوس نہ اس رشک سیما کو ہے پروا
 میں بات خوشامد کی لگا کہنے تو بولا
 (۲۵) ساقی بھے دے ایک تلو اور مجھ سے تولے ایک
 ہاتھ اپنے سے مجھ کو پلاتا ہے وہ بیصبر
 تو ہنس کے وہ کہنے لگا چل دو دھڑکے ہو
 کیسا ہی کوئی عاشق رنجور مرے گو
 تنگ سلسلے میں ہوتا ہوں بہت کچھ
 تو نے جو یہ ہیں ساغر بلور بھرے دو
 لے جام شراب آج تو مسرور ہے ہو

اس آفت جان سے کر کے یاری ہم نے
 حاصل نہ کیا جز آہ و زاری ہم نے
 معلوم مصیبتیں نہ یہ عشق کی تھیں
 دل دے کر کی یہ اپنی خواری ہم نے

رباعی

(۲۸)

رقعہ

عم صاحب عالی شوکت سرتاپا صولت مذللہ قامت طاعت سرشت
 کو ختم کر کے ظاہر خاطر عاطر کے کرتا ہے سامی نامہ شریف ہاتھ سے موہن
 قاصد کے پایا سر پر چڑھایا موجب مزید حرمت کا جاتا حق جل شانہ تم
 سے عزلی کو مجھ عاجز نالائق کے سر پر سایہ فرما کر لو۔

مرثعہ

کون کاکل سے تری بے سرو سماں نہ ہوا
 مثل تھویر تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا
 حال کس کاتری زلفوں سے پریشاں نہ ہوا
 چاک کس کاترے ہاتھوں سے گریباں نہ ہوا

چشم وہ کور جو دیکھے ترے دیا رسوا
کان وہ کرہوں نے جو تری گفتار رسوا
وہ زبان گنگ کہے جو ترے اذکار رسوا
مردہ وہ دل ہو کہے جو ترے اسرار رسوا

رصد ۳
غزل

دل فہم شداست وہم نشیں ہم
از زندگی خودیم دل تنگ
فریاد مرد و رفته بختوں
بینیم تراز دور و نزدیک
تم کے جاں باشد دل لب ما
انیت گر آرزو دست بیصبر
جب سے ہوئے مبتلا کہیں ہم
چھٹ جائیں جو مرئیں کہیں ہم
اب رہ گئے آہ اک ہمیں ہم
نزدیک ہیں اپنے دور میں ہم
مرتے بھی تو ایک دن نہیں ہم
دیکھیں اسے وقت واپس ہم

رصد ۳
نقل

خواجہ اشرف ماہند رانی نے کہ استاد اور محو جمال زیب النساء بیگم مخفی
تخلص بنت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا تھا بیگم کو ظرافت سے
لکھا کہ سن بوسہ بیسن میں خواہم بیگم نے کہ زود باب اور حاضر جواب مافی
جواب میں لکھ بھیجا کہ ۔ از مطبخ مادر گیر

قطعہ

ہو گیا بیصبر ایسا بادلا سودا کی مست
تربیت نااہل راجون گردگان برگزید است
ہار کے موتی کو اس سینے پہ ہتا دیکھ کر
لاکھ بھایا نہ بھائی کتا ہے قول شیخ

قطعہ

کہا جو میں ابلال کیا بُرے تھے ترے
تو اپ کہنے لگے کیا سنا نہیں بیصبر
کے مٹی سے جو لہنے سیاہ باعث زینت
کہ آپ چشمہ حواں درون تار یکیت

قطعہ

جلوہ گروہ تو ہے درون و برون
گرنہ بیند بروز شپتر چشم

تجھ کو ہے جس کے دیکھنے کی چاہ
چشمہ آفتاب راہ چہ گناہ

قطعہ

پری آئی نظر اک سبزہ رنگ آج
کہا میں نے کہ اے کانِ ملاحظت
چھپا زیر نقاب اس کو خدا را
کہا بیصبر خط کی رکھ نہ امید

کہ تھی کا فریب نائے شکلِ امرد
ترے رخ پر ہوجب تک خط کی آمد
کہ شور انگیز عالم ہے ترا خد
زمینِ شور سبیل بر نیارو

(۳۲)

قطعہ تاریخ وفات

جب گئے جنت کو ابراہیم ذوق
سال رحلت ان کا اے بیصبر کہ

رہ گیا مشہور ان کا نام نیک
تھے ہزار و دوسد و ہفتاد ایک

(۳۳) بیت

کمر نہ پامال مجھ میں حال نہیں

چھوڑیہ چال مجھ میں حال نہیں

قطعہ

آپارات اشار تھا اسے سر نہ رقیب
حاصل انکار سے کیا ہے نہیں ناداں ہم بھی

کبلا سکتا تھا آنکھوں سے ہماری آنکھیں
ہم نے بھی دیکھی ہیں آخر تو ہماری آنکھیں

نقل

ایک دن لو اب آصف الدولہ واسطے دیکھتے کوٹھی کے کہ نئی بنی تھی تشریف
لے گئے تھے پیچھے سے ملک الشعرا مرزا رفیع السودا بھی وہاں پہنچے لو اب سے
فرمایا کہ مرزا، ہم دیر سے یہاں آئے ہیں تم کہاں تھے بدیہہ کہا کہ
غلام گردش میں تھا۔

دہرۃ بیت

بدی تو کی فلک نے قیس اور فریاد سے لیکن
جو کی پھر مجھ سے سو کسی سے بھی نہ کی ہوگی

قطعہ

ایک دن اس سے کہا میں نے کہ اپنے ظلم شعار
تو بگڑ کر وہ لگا کہنے دیا تھا کیوں دل
قتل کیوں کرتا ہے ہم کو زکھنہ کار میں ہم
تو نہیں جانے تھا ہم کو کہ بھاکار میں ہم

دہرۃ رباعی

رخ تیرا ہے یا کہ ماہ یا مہر منیر
یا چشم ہے یا فسون ہے یا آہوے چین
یا زلف ہے یا مکندہ دل یا زنجیر
یا ابرو ہے یا ہلال ہے یا شمشیر

رباعی

میں نے کہا اس سے ایک دن رشک حسن
دکھلا کے رخ و دہن زلف بدن
کیوں کہتے ہیں باغ حسن تجھ کو بہر تن
یہ گل ہے یہ غنچہ ہے یہ سبب یہ سمن

بیت

اپنا دامن اشک و لختِ دل سے پر رکھتے ہیں ہم
دیدہ ترکِ بدولت لعل و دُر رکھتے ہیں ہم

نبی آدم نہیں بے غم کہ آیام محرم ہیں
دراں روح بے خیرہ خود غالب آؤں کے

کس میں نے سمجھ مجھے بندہ
لگے کہنے خدا تجھے سمجھے
نقل ہے کہ

زیب النساء بیگم مخفی تخلص نے نعمت خان کو حکم دیا کہ ایک جعفر مرصع
ہم کو درکار ہے خرید کر بھیجو، خان موصوف نے خرید کر بھیج دیا اور
قیمت عرض رکھی جب چند روز گزرے اور بیگم نے قیمت نہ بھیجی

(۴۱) خان مسطور نے صنعت حسن الطلب میں یہ ابیات لکھ کر بھیجے
 بیگم بہت خوش ہوئی اور زر قیمت اور ہزار روپیہ صلہ کے نامبرودہ
 کو عطا کیے۔

رباعی

اے بندگیت سعادت اختر من در خدمت تو عیان شدہ جوہر من
 گر حیفہ خریدنی است پس گوزراؤ ورنیست خریدنی بمنک بر سر من

دافع ہو کہ حیفہ نام ایک کپڑے پوشا کی کا ہے کہ اس کو سرور باندھیں۔

قطعہ صنعت توشیح (یعنی شراب)

شدت سے آج سردی ہے اے مایہ کرم رکھتا ہوں آرزو کہ مجھے گرم کیجیے
 ایک ایک لیجیے میرے حروف باہم وہ جمع کیجیے اور مجھ کو دیکھیے

۱۰ راقم نے شعر مرزا جلال اسیر کا اردو میں ترجمہ کیا۔ بیت فارسی
 بسکہ ترسم از جدائی ہا مے گریم ز آشنائی ہا

شعر ترجمہ اردو

بسکہ ڈرتا ہوں میں جدائی سے بھاگتا ہوں میں آشنائی سے

(۴۲) ابیات

رکھتے ہیں شب و روز زیادہ اور کم
 ہم طالب وصل ہجر میں تیرے صنم
 رنج و راحت غم و خوشی دشمن و دوست
 پیداری و خواب اے ستم ایجاد کرم

غزل

تلوار بھی کمان بھی سنان بھی سپر بھی ہے
 ڈیر بھی لنگہ بھی برچھی سی ترچھی نظر بھی ہے
 دل سے بدن سے اور لب دندان سے تیرے پاس
 آہن بھی سیم خام بھی نعل و گہر بھی ہے
 گل رخ بنفشہ زلف سمن تن ہے سرو قد
 کیا ہے بہار نام خدا آپ پر بھی ہے
 پیکان و تیغ و تیر و سنان سے کسی کے ریش
 پہلو بھی بر بھی سینہ بھی دل بھی جگر بھی ہے

مقام (محراب)

مخل و ریا کو جب اس کی گنہ گشتی نے فرمایا
 تو اس کو رحم الہا آبرو سے بھر دیا
 (درم الثو تو محراب + آب)

مقام (دلیپ)

بہر پامال عذیب تو بہ تعجیل پھرے
 پانز کہ کر سرد شمن پہ ترا پیل پھرے
 (سرد شمن + د + پیل پھرے + لپ)

نقل

”مولانا غزالی حج کو گیا تھا وہاں سے ہندوستان کو پھرتے وقت شہر جام
 میں وارد ہوا چاہا کہ مولوی جاتی سے ملے سراپا گرد و غبار آلودہ جاتی کے گھر
 پہنچا اور بے تکلف برابر مولوی کے مسند پر جا بیٹھا جاتی نے بنظر استحقار
 دیکھ کر کہا کہ در سگ و توجہ تفاوت باشد بدہمہ کہا کہ یک جب یعنی ایک
 بالشت گویا مولوی کو کٹا ٹھہرایا جاتی نے جانا کہ کوئی شاعر حاضر جواب ہے
 کہا کہ کیستی و از کجا میرسی کہا کہ شاعر م از مکہ میرسم و بہ ہند وطن
 مالوف خود خواہم رسید۔ جاتی نے کہا مگر غزالی۔ ہاشی کہا کہ

بے پس کر جاتی اٹھا اور آغوش میں کھینچا اور غرچا ہا کہ درمما
ہم دخلے داری کہا کہ آریے معاد و قسم است قوی و فعلی جاتی نے کہا کہ قوی
بسیار است و من مشتاق فعلی ام۔ غزالہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر
سر کو جھکایا اور ڈاڑھی کو جھاڑا جاتی نے کہا کہ نام ادریس براوردی؟
فقط مراد یہ ہے کہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو صورت الفت کی قائم ہوئی
اور پھر سر جھکاتے سے شکل دال ہملہ کی بنی اور ڈاڑھی کو ریش
کہتے ہیں اس کے جھاڑنے سے نقطے شین کے گر گئے تو ریش بسین
ہملہ رہ کر ادریس ہو گیا اور ادریس نام ایک بنی کا ہے۔

پہلی ڈھال

ایک عورت بے کالی کالی کان نہیں ہے پہنے بالی
ناک نہیں پر سونگھے پھول جتنا عرض استا ہی طول

(۴۴)

خوب نکلی تیرے بیصبر کی نوا میں ہوس پانویں خار لگے ایسے کہ سر سے نکلے

رباعی

بیصبر ہوا یہ نسخہ تازہ تمام مقبول جناب کبریا ہو یہ مدام
الہ سے عطا کرے فیض انام مشہور ہے ابد تک اس سے مرانام

توقیت بے صبر

ولادت بمقام سکندر آباد ۱۸۶۹ بکری = ۳۱ مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۸۱۳ء	۱۳ - ۱۸۱۲ء
دو قطعہ ہائے تاریخ وفات شولعل طیب سکندر آبادی (۱۲۴۷ھ) ۱۸ سال کی عمر میں حکم کیے	۱۸۳۱ء
مثنوی لخت جگر کی روایت اول (۱۲۵۳ھ) بعمر ۲۳ سال	۱۸۳۷ء
لالہ مہر گوپال رانی کا غالب کی شاگردی میں آنا اور غالب کے کہنے پر تفتہ تخلص اختیار کرنا	ایضاً
سب سے بڑے بیٹے ہر سروپ کی ولادت (قیاساً) بعمر ۲۹ سال	۱۸۴۲ء
دوسرے بیٹے کشن سروپ کی ولادت (۱۲۶۰ھ) بعمر ۳۱ سال	۱۸۴۴ء
تیسرے بیٹے برہما سروپ کی ولادت (۱۲۷۰ھ) بعمر ۳۵ سال	۱۸۴۸ء
چوتھے بیٹے بینی سروپ کی ولادت (۱۲۷۰ھ) بعمر ۳۸ سال	۱۸۵۲ء
غالب کی اصلاح بے صبر کے دیوان پر (۱۲۷۳ھ) بعمر ۴۵ سال	۱۸۵۸ء
مثنوی لخت جگر کی دوسری روایت جو ۱۲۷۵ھ میں غالب	۱۸۵۹ء

کی نظر سے گزری ۔ بعمر ۴۴ سال

تاریخِ مثنوی انکسر عشق (۱۲۷۵ھ) بعمر ۴۴ سال ۶۱۸۵۹

بڑے بیٹے ہر سروپ کی وفات تپ لرزدے سے (۱۲۷۹ھ) ۶۱۸۶۲

(ہر سروپ کی شادی ہو چکی تھی ۔ قیاس ہے

کہ انتقال کے وقت ہر سروپ کی عمر بیس سال ہوگی)

پوتے رام چندر سروپ کا سالِ ولادت (۱۲۸۱ھ) ۶۱۸۶۵

غالت کی وفات ۶۱۸۶۹

سالِ تکمیل رسالہ بدیع البدایع (۱۹۲۶ بکری) ۶۱۸۷۰

سالِ طباعتِ مثنوی تحتِ جگر ۔ بعمر ۵۸ سال ۶۱۸۷۱

سالِ وفاتِ بین سروپ تپ دق سے (۱۲۹۰ھ) ۶۱۸۷۳

سالِ وفاتِ مرزا اہر گوپال تفتہ (۱۲۹۶ھ) ۶۱۸۸۰

وفاتِ ۱۳ بھرتی ۱۳ فروری بروز شیوارتری بمقام میرٹھ ۶۱۸۸۵

رسالہ بدیع البدایع کی اشاعت ۶۱۸۸۵

”کلیات بے صبر (قلمی)“ (کوائف)

یہ ضخیم مجموعہ اشعار ۲۱۲ اوراق پر محیط ہے۔ پہلے ورق پر غزلی اور اردو اعداد میں تفصیلات درج ہیں۔ ورق ۲ اور آخری ورق ۲۱۲ کا ایک ایک صفحہ خالی ہے۔ اس طرح کلیات کا متن ۲۱۰ اوراق (یعنی ۴۲۰ صفحات) پر پھیلایا ہوا ہے۔ سب سے آخری ورق (صفحہ) پر متفرق اشعار ہیں۔ آخری پانچ شعر پڑھے نہیں گئے۔ اُن سے پہلے کے چار مصرعے یہ ہیں۔

ہو گئی رخصت نزاں، آئی بہار

رخصت اے زندانیاں! آئی بہار

پھر بسیرِ گلستاں، آئی بہار

مُژدہ اے دیوانگاں! آئی بہار

ورق ۱۰۳ تک غزلیں ہیں۔

فتح مصر کا قصیدہ ۱۸۸۲ء کا کہا ہوا ہے۔ وہ اس میں شامل ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ کلیات کی ترتیب ۱۸۸۲ء میں یا اس کے بعد ہی عمل میں آئی ہوگی۔

غزلوں کے بعد ورق ۱۰۳ سے ورق ۲۱۲ تک کُلیات کے کوالف یہ ہیں

ورق

متفرقات۔

۱۰۳

ترجیع تر صبح بند عاشقانہ

۱۰۵

تر صبح بند تصوف

۱۰۶

ترکیب بند قسم اول کا

۱۰۸

دویم

۱۰۹ (۷، شعر)

ترکیب بند نوحہ بینی سر و پسر خورد بے قبرستم سیدہ

۱۱۱

مختس بر غزل فارسی مرزا تفتہ

۱۱۲

حافظ شیرازی

۱۱۲

بہ زبان بجا کھارام بان بر غزل امیر خسرو

۱۱۳

بہ زبان اردو بر غزل فارسی تفتہ

۱۱۴

بر غزل سعدی

۱۱۵

بر غزل رند

۱۱۵

حافظ (مزاحیہ)

۱۱۶

فارسی تفتہ صاحب

۱۱۷

مصطفیٰ

۱۱۸

بے صبر

۱۱۸

در مناقب حضرت علی

۱۱۹

س در مناقب حضرت علی

۱۲۰

بر غزل جبرأت

۱۲۱

ثالث

۱۲۱

ورق

۱۲۱ مریخ موسم برسات

۱۲۲ زبان بھا کا برسات بطور چار بیت

۱۲۲ مستمع عاشقانہ

۱۲۳ مثنیٰ در وصف بست

۱۲۳ متشع عاشقانہ، برسات کا مستانہ ترانہ

۱۲۴ معشر

۱۲۴ مستزاد

۱۲۵ دیوان رباعیات مستی بہ چار عنبر (۱۰ رباعیاں)

۱۳۲ قطعات (اس میں بہت سے تاریخی قطعات بھی ہیں)

قصائد

۱۳۸ ۱۔ در تعریف ہندوستان مستی بہ نو بہار (۵۰ بیت)

۱۳۹ ۲۔ زرخشاں (۸۲ بیت)

۱۴۲ ۳۔ در مدح مہاراجہ بنارس اسیری نرائن سنگھ (۳۷ بیت)

۱۴۳ ۴۔ در مدح مہاراجہ رنبیر سنگھ والی جموں و کشمیر (۹۵ بیت)

۱۴۴ ۵۔ در تعریف شاہ درگیش مستی سراپا ناز (۱۰۰ بیت)

۱۴۹ ۶۔ صنعت معطل یعنی بے نقط (۲۰ بیت)

۱۵۰ ۷۔ نوک نشتر (۳۸ بیت)

۱۵۱ ۸۔ در ہدای (۳۷ بیت)

۱۵۲ ۹۔ نیرنگ خیال (۵۴ بیت)

۱۵۳ ۱۰۔ سرور افزا (۹۰ بیت)

۱۵۴ ۱۱۔ دلفریب تہنیت عید (۱۶ بیت)

ورق

قصائد (جاری)

۱۵۹

۱۲۔ پرکار آتش بدمرغ غالب (۳ بیت)

۱۶۰

۱۳۔ سدرہ۔ توحید میں (۲۵ بیت)

۱۶۱

۱۴۔ سر اکبر توحید میں (۴۰ بیت)

۱۶۲

۱۵۔ بقلمون (۳۲ بیت)

۱۶۳

۱۶۔ رنگارنگ (۵۶ بیت)

۱۷۔ دردمرغ مرزا آفتہ صاحب (۵۳ بیت)

۱۶۵

۱۸۔ صرف ۴۵ شعر۔ ۴۴ شعر صفحہ ۶۶ کے غائب ہیں
اعجاز سخن ۱ کل ۴۴ شعر ہوں گے مگر صفحہ کم ہونے

۱۶۶

کی وجہ سے اب صرف ۴۳ باقی ہیں)

۱۶۹

۱۹۔ شورِ محشر (۵۵ بیت)

۱۷۰

۲۰۔ دم پیرد تعریف زمستان (۵۳۱ بیت)

۱۷۱

۲۱۔ آوازِ غیب (۵۰ شعر)

۱۷۳

۲۲۔ دودِ دل۔ بدمرغ غالب (۵۲ شعر)

۱۷۴

۲۳۔ سرودِ مستان (۴۵ شعر)

۱۷۵

۲۴۔ شمشیرِ تیز (۴۴ شعر)

۱۷۶

۲۵۔ مروجِ دید (۵۰ شعر)

۱۷۷

۲۶۔ آتشِ کدہ تعریف موسمِ تابستان (۶۰ شعر)

۱۷۹

۲۷۔ سوداے سر (۶۱ شعر)

۱۸۰

۲۸۔ نالہٴ موزوں (۵۵ شعر)

۱۸۱

۲۹۔ نور علی نور (۴۲ شعر)

۳۰۔ تیغِ بیہند۔ مبارک باد فتح افغانستان بھنور لارڈ لیسٹن

ورق	قصائد (جاری)
	گورنر جنرل بہادر ۱۲ جون ۱۸۷۹ء - ۱۰ جولائی ۱۸۷۹ء
۱۸۲	کوروانہ کیا - (۸۳ شعر)
	۳۱ - خوش ترانہ - بنام منشی گورنری - ۲ جولائی ۱۸۷۹ء کوروانہ
۱۸۳	(۴۰ شعر)
۱۸۵	۳۲ - عاشقانہ (۳۰ شعر)
۱۸۶	۳۳ - دل پستہ - مکتہ معظمہ (۴۰ شعر)
۱۸۷	۳۴ - شعلہ آہ (۲۶ شعر)
۱۸۸	۳۵ - عاشقانہ (۳۸ شعر)
۱۸۹	۳۶ - قند مکڑی - تعریف حضرت غائب تفت صاحب میں (۴۱ شعر)
۱۹۰	۳۷ - خوشحکام (۵۵ شعر)
۱۹۱	۳۸ - آب بقا (۱۴ شعر)
۱۹۲	۳۹ - بدرالدی (۲۲ شعر)
۱۹۳	۴۰ - عاشقانہ (۳۰ شعر)
	۴۱ - دربار - دربار ۱۵ نومبر ۱۸۸۰ء لارڈ رین گورنر جنرل
۱۹۴	ہند (۴۱ شعر)
	۴۲ - نو عروس - یہ تہنیت شادی بر خوردار سری راجپوت در
۱۹۵	سرورپ (۳۳ شعر) (نیرڈ جے قمبر) ۱۸۸۰ء (اپریل / مئی)
۱۹۵	۴۳ - شمس الفضا (۳۱ شعر)
۱۹۶	۴۴ - مجمع الجریس (۴۵ شعر)
۱۹۷	۴۵ - گنجینہ معانی (۸۱ شعر)
۱۹۸	۴۶ - بزم بحر نما (۴۳ شعر)

۲۰۰	قصائد (جاری)
۲۰۰	۴۷۔ ڈرالتاج۔ ملکہ معظمہ (۳۳ شعر)
۲۰۰	۴۸۔ جہانجو (۳۷ شعر)
۲۰۱	۴۹۔ عزیز مصر فتح مصر پر۔ لارڈ رین گورنر جنرل تھے۔ ۲ جنوری ۱۸۸۲ء (۷۰ شعر)
۲۰۳	مشنویات متفرق
۲۰۳	حکایت مجنوں
۲۰۴	مفلس
۲۰۴	شیرزنجہ
۲۰۵	منصور حلاج
۲۰۵	پیر و مرید
۲۰۶	مثنوی۔ زینج خدمت مرشد پر مٹ کے
۲۰۹	حکایت پیر و مرید
۲۱۱	افراد متفرق اشعار

انتخاب غزلیات

بے صبر

مطلع خورشید اپنا مطلع دیواں ہوا
کفر حد سے جبکہ گذرا بس وہی ایمان ہوا

جبکہ بسم اللہ وصفِ عارضِ جانان ہوا
کرتے کرتے خود پرستی ہو گیا میں حق پرست

پانی میں ڈال امرے مست جنوں نے کر کے خاک
 کٹا تلکے تھا گریباں آج وہ داماں ہوا
 تنگ بھل میں اپنی وحشت کے صحت مرے
 تنگ یاں تک آگیا صحر اکہ خود زنداں ہوا
 شعر سن کر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
 اب وہی بے صبر و بکھو صاحب دیواں ہوا

لے کے تیغ کیس وار د جب وہ تند خو ہوگا
 کون ہے سوا میرے جو کہ رو برو ہوگا
 حرص سے تھی تھا دل جبکہ آتش اس میں
 خالی از ہوا ہوگا جب کہ پُرسو ہوگا
 ہوسے گا کوئی بے صبر آج قتل داں بے شک
 تو نہ ہوگا میں ہوں گا، میں نہ ہوں گا تو ہوگا

عیاں جب اپنا فروغ جمال تو نے کیا
 تمام کر دیا میرے کو کمال تو نے کیا
 بنایا سر چرخاں بفرط داغ اے عشق
 بس اب تو مجھ کو سراپا نہال تو نے کیا
 سوا خوشی سے میں تیرے سبب تصور یار
 شب فراق کو روز وصال تو نے کیا
 قدم کو ہاتھ لگاتا تھا بہر عفو گستاہ
 کچھ اور دل میں بحث احتمال تو نے کیا

جسم لا غریب نہ دیکھا طائرِ ناشاد کا
 دیکھ کر بخرے کو طوطی اڑ گیا صیاد کا
 حاصل اس کے انتہائے ذکر کا ہے خامشی
 خود فراموشی نتیجہ ہے کمالِ یاد کا
 بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بے صبر میں
 ریزہ چینِ خوانِ نعت ذوق سے استاد کا

اس قدر دل میں رات درد ہوا
 آتے ہی آمدِ خزاں کی خیر
 مجھ کو وحشت کا جب خیال بندھا
 دی صبحی میں درد ساقی نے
 کہ سحر ہوتے ہوتے سرد ہوا
 رنگِ رو سے بہارِ زرد ہوا
 گھڑی میں بیٹھے چساں نورد ہوا
 کہ فنوں میرے سر میں درد ہوا

نہ گیا مر کے بھی نظروں میں سمانا اپنا
 گورنے نے مردم دیدہ بھگے جانا اپنا
 ایسے سوویں گے شبِ ہجر کے جاگے اک و ز
 ہوگا محشر میں بھی دشوار جکانا اپنا
 مل کے دل اس سے ملا ہم سے نہ پھر وائے نصیب
 نکلا بیگانہ وہ ہم نے جسے جانا اپنا
 دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
 ہو تو بتلائیں کہیں ٹھور ٹھکانا اپنا
 تیرا احسان نہ بھولوں گا کبھو شوقِ جفا
 کام تھا تیرا ہی یاد اس کو دلانا اپنا

کچے کا شیخ ہوں نہ برہمن کنشت کا
 اہلِ رضا کو فہم نہیں خوب زشت کا
 زباں کپس لبِ شیریں کا ذکر یہ آیا
 نقاب اس نے اٹھایا تو میں ہوا بے خود
 جہاں ہو زیرِ وزیر کیوں نہ ایسے ظلموں سے
 بیان میں نہیں آتا ہے کچھ میاں بے صبر
 ساجد نہیں ہوں میں بند اس کے وحشت کا
 تارکِ جہم کا ہوں مطالبِ ہشت کا
 مزاجِ جان کی چیزوں کا جو زبان سے اٹھا
 دوی کا پردا تھا گویا جو دریاں سے اٹھا
 گرا یا تیغ سے سراوریا سناں سے اٹھا
 جو کچھ کہ لطفِ سخن آپ کے بیاں سے اٹھا

کون سا آپ کا کہا نہ کیا وہ تو فرما دو ہم نے کیا نہ کیا
 کب ترے در پہ خون بہا نہ کیا تو نے پر خوفِ خوں بہا نہ کیا
 تو نے سمجھا مجھے برابرِ غیر سب برابر ہو اکیسا نہ کیا
 میں نے پایا نہ اختیار اس پر جب تلک ترکِ مدعا نہ کیا

عہد اپنے میں کیا کو بہنِ قیس کا ہے ذکر
 طے ہو گیا قصہ ہی عسب اور عجم کا
 اسے دل سخنِ راز کو لانا نہ زباں پر
 سرِ حرفِ زول میں یہاں کٹتا ہے قلم کا
 ہوں شمعِ زباں سوختہ آتشِ تسلیم
 شاکی نہ ستم کا ہے نہ شا کر ہے کرم کا
 آنکھوں نے مری فرشِ تری راہ میں رو کر
 سب نقشہ اڑا لیا ہے ترے نقشِ قدم کا

نے رہائیں نے گریباں نے جنوں باقی رہا
 پر گریباں کا مری گردن پہ خوں باقی رہا
 ہاتھ میرا اور ترا داماں ہو گا روزِ حشر
 پیرہن میں تارِ گردِ دستِ جنوں باقی رہا
 نزع میں کیا دیکھتا ہے غور سے اے بدگماں
 اب نہ کچھ مجھ میں بجز حالِ زبوں باقی رہا
 خفتگانِ خاک پر بے صبرِ الفت لائے گا
 بعدِ مردن بھی اگر درِ دروں باقی رہا

بہار آئے عنادِ دل نے مل فروش کیا
 بدن میں توں نے صراحی میں مے نے نوش کیا
 زہے زہے میرے ایمان و دیں کہ میں نے نہیں
 ندائے فرقِ خیم و یاسے مے فروش کیا
 نقابِ مہر سے اٹھا کر یہ کس نے دی آواز
 کہ دفعتاً بہر تن مجھ کو چشم و گوش کیا
 لکل گیا تھا لبو میرے تن کا رونے میں
 رہا تھا جو کوئی قطرہ سو غم نے نوش کیا
 کلام کیوں نہ ہو بے جبر میرا مستانہ
 کہ جام ہے خیم حافظے میں نے نوش کیا

مہرے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تو پروانہ خط کا ورق ہو گیا زمین آسماں کا طبق ہو گیا وہی آسماں پر شفق ہو گیا کہ اک وادی لقی ووق ہو گیا	جوشِ دہشت سے دل میں قلق ہو گیا جو اس شمع رو کو لکھا سو درِ دل ذرا میں جو تڑیا تو زیرِ وزیر اڑا رنگ میرا جو شامِ فراق ہوا اس قدر خانہِ دل خراب
--	---

سماں جو دل کے کاشانے میں دیکھا جو جا کر آئینہ خلسے میں دیکھا نہ معمورے نہ ویرانے میں دیکھا یہ کینہ شمع پروانے میں دیکھا	نہ کیجے میں نہ بہت خانے میں دیکھا ہمیں وحدت سے کثرت میں یہ جانا جو جلوہ دشتِ دل کے ڈرے میں ہے کرے وہ گل ایسے یا اس کو وہ خاک
--	---

تیرا لیتا کیا تھا میں باغباں نہ ہی آہ کرتا تھا نے فناں
 ہو خراب تیرا بھی خانماں میرے آستیاں کو جلا دیا
 مجھے اپنے در پہ وہ دیکھ کر لگا کہنے ہاتھ پہ ہاتھ دھر
 کہ خدا ہی جانے ہمارا گھر اُسے کس نے آج بتا دیا
 وہ نہ آیا جبکہ دم پسین تو اک آہ ایسے بھری وہیں
 کہ دباں کے جتنے تھے حاضرین، بخدا سمجھوں کو رلا دیا
 غزل اور دوسری بھی کہوں نہیں مجھ کو صبر تو چپ رہوں
 یہی نام میرا ہے کیا کروں یہی نام میں نے بتا دیا

خواب میں بھی نہ یہ خیال ہوا	کہ میرا یار سے وصال ہوا
ضعف سے اب یہ اپنا حال ہوا	کہ بیاں ضعف کا حال ہوا
میکشی کو حرام کہتا ہے	تو نہ زاہد ہمیں حلال ہوا
ہوں میں پامال مثلِ تازہ نہال	ہو کے پیدا میں کیا تہال ہوا
پاؤں پکڑا تھا بہرِ عذر گناہ	اُس کو کچھ اور احتمال ہوا

مانگ پیشانی سے چوٹی تک نکالی اُس نے جب
 شرق سے تا غرب رستہ ایک سیدھا ہو گیا
 ایک دو ہی اشک ٹپکے تھے کہ ماسے شرم کے
 پانی پانی سامنے آنکھوں کے دریا ہو گیا
 بات بھی منہ سے نہیں نکلی کہ سارے شہر میں
 شہر سے میرے نکلوانے کا شہرا ہو گیا

تاب زخارہ نہیں آنکھوں کو اس کے روبرو
 اور بھی اُس مہر و شش کا اُس کا پردا ہو گیا

اُس کو چے میں جائیں گے نہ ہم ہم سے نہ ہوگا
 کیا کھائیں قسم یاں قسم ہم سے نہ ہوگا
 شکوہ ترا زہبہا رقص ہم سے نہ ہوگا
 گر باتو بھی ہو جائیں قلم ہم سے نہ ہوگا
 نیت ہمیں شکوہ کی لگا کر نہ ستم کر
 بہ گزر گلہ ظلم و ستم ہم سے نہ ہوگا

تجھ کو جب ہم سے کام ہووے گا	کام اپنا تمام ہووے گا
عازم کشورِ عدم ہے جان	آج لب پر مقام ہووے گا
ف سال میں ہم کلامِ حافظ سے	کہ وہ کب ہم کلام ہووے گا
بعد اپنے دل اپنا ہوں بے صبر	اپنا وقت نام تھا کہ ہووے گا

اک نظر کا سوال ہے نہ سہی	کبھو ہم سے بھی کام ہووے گا
کام میرا تمام کر کہ مرا	کام اور تیسرا نام ہووے گا
ماہ کو اونٹ نیچ سو جھے گی	جب وہ بالائے بام ہووے گا

جو چاہو سو کوئی ہم سے کہو ہوا سو ہوا
 دل اب تو ہے چکے جو ہو سو ہو سو ہوا

دعا جو دی تو خطا کی یہ نہیں آئی آپ مجھے
 بُرا بھلا کہو و شنام دو ہو سو ہو
 وہ ذکرِ قتل سے اب میرے ڈر کے کہتا ہے
 خدا کے واسطے چپ ہو رہو ہو سو ہو
 تو ہنس پڑے تھا جو کہتا تھا میں تو روئے گا
 دل اتنی چاہیے ہنس اور چاہیے رو ہو سو ہو

گر گزرنا لے کا دل سے لب تلک ہو جائے گا
 ارض جائے گی الٹ اور شق فلک ہو جائے گا
 شورِ مرہم نے مرے زخموں میں ڈالا سچ ہی تھا
 جائے گا کانِ نمک میں جو نمک ہو جائے گا
 لے چلو میرا جتنا زہ کوئے خویاں کی نہ راہ
 ہے یقین اُس بدگماں کو اور شک ہو جائے گا

جدا ہر فرقہ ہو گا حشر کے دن تیرے یاروں کا
 پریشانوں کا حیرانوں کا، بیزاروں کا زاروں کا
 اٹھالے خوش و حشت پاؤں تو بھی چل بیاباں کو
 کہ سرے طور ان روزوں میں کچھ اٹھایے خاروں کا
 تو پوچھا مسکنِ بے جبر تو رو کر سکا کہنے
 کہ شہرِ عشق میں ہے اک محلہ دل فگاروں کا

طفل جوں باپ کی نظر سے گرا
جاتے جاہتے کل اپنے گھر سے گرا
کھا کے ٹھوکر میں سنگِ در سے گرا

اشک یوں اپنی چشم تر سے گرا
سوجکے میں ضعیف تادریار
دیاجب بزم سے مجھے اٹھوا

پیدا ہوا کہاں سے تو چنگیز دوسرا
یہ شمس دوسرا ہے یہ تبریز دوسرا
دلی کو کیوں سمجھئے نہ تبریز دوسرا
ہے ایک پرشکر نمک آمیز دوسرا

تجھ سا نہیں جہاں میں خونریز دوسرا
سینے میں میرے ہے جودلِ داغ و آتش
غالب کو کیوں ظہوری ثانی نہ جانے
تیرا لب اور میرا لب جام اور ہے

لب سے لب سینے سے سینے کو ملا کر سونا
سرتلے ہاتھ ہمارے کو دبا کر سونا
اور کسی پیارے کو چھاتی سے لگا کر سونا
کہ لگے بے مجھے ڈر مجھ کو سلا کر سونا

خواب سا ہو گیا وہ شام سے آکر سونا
ہاتھ دے مارتے ہیں آتا ہے جیٹ داس کا
گر خدا دیوے تو مے پینا ہے نیا کانر
اپنا وہ سونا اور اس کا وہ جگا کر کہنا

یہ دیوانہ پن کام آنے لگا
ترا اگر یہ اب زنگ لانے لگا

وہ چھپ کر ہمیں دیکھ جانے لگا
بہوید لے آنسو کے آنے لگا

نہ کوئی کہے بُت نہیں بولتا
اگر ہم سے وہ ناز میں بولتا
تو کہتا ہے وہ میں نہیں بولتا
وہ مجھ سے دم واپس بولتا
انا الحق وہ آشوب میں بولتا

ذرا منہ سے کچھ مر جیسیں بولتا
خوشی پہ ہم اپنی کرتے نہ ناز
جو کہتا ہوں میں مجھ سے منہ سے تو بول
نہ جاتا میں شہرِ خوشاں میں گھر
دین حق گراں بُت کو دیتا توصاف

نظر اک دن وہ گرنہیں آتا
 کیا ملا شہر یار میں کہ وہاں
 ہم کو کچھ بھی نظر نہیں آتا
 کہ وہ اکثر ادھر نہیں آتا
 حال بے صبر سن کے ہنستا ہے
 باور اس کو مگر نہیں آتا

کوئی نہ تیرے ہاتھ سے حیرت کھنچا
 ایک ایسی آہ ہم نے پس زمرگ کی کہ آہ
 نے کو کین نہ قیس نہ نل نے رتن بچا
 نے ہم بچے کھن میں نہ ہم پر کھن بچا

روز آتا ہے شب نہیں آتا
 دم بدم کب تو اٹھ نہیں چلتا
 جب بلاتا ہوں تب نہیں آتا
 غش پغش مجھ کو کب نہیں آتا
 کون سی رات بزم رنداں میں
 جب کہا میں نے کیے تو کہا
 ذکر سنت العنب نہیں آتا
 کہ پھر آؤں گا اب نہیں آتا

دل میں غبار ابر کے ہے مجھ سے اب تلک
 ہرگز نہ میری خاک پر آکر برس گیا
 تھا اک پہر میں آنے کا وعدہ سویاں گزر
 اک دن گیا مہینا گیا اور برس گیا
 قلقل کے پیچھے جام ہزاروں واں ہوئے
 اک قافلہ لبطرف صدائے جرس گیا

غیر جان بخش سے عاشق ہو کیونکر جان بحق
اس کو استحقاقِ عمر جاودانی ہو گیا
جتنے ہی آرامِ جاں پر اپنے ہم مرتے سے
خوب حاصل ہم کو لطفِ زندگانی ہو گیا

گر دوست بھی سو جفا کرے گا	دشمن بے چارہ کیا کرے گا
جب بند قبا وہ داکرے گا	گل چاک اپنی قبا کرے گا
کر کے کوئی چاہ کیا کرے گا	فریاد و فغاں کیا کرے گا
داغ اپنا چرخِ خانہ دل	تا صبح ابد جلا کرے گا
جز بے کسی اپنا اور بے کون	جو دغوی توں بہا کرے گا
گشتِ تنگی کی نہ راہ ہو طے	جب تک کہ نہ سزا کرے گا
جب کٹ کے گرے گا اس کے پا پر	سر سجدہ شکر ادا کرے گا

جب عمری بے وفا ہے بے صبر
پھر کون بھلا وفا کرے گا

جولب تک آ کے نہ نالہ پلٹ گیا ہوتا
توکل یہ تختے کا تختہ اکٹ گیا ہوتا
تیاں مقارات یہ دل تو اگر نہ آجاتا
تمام فرشِ زمیں کا سمٹ گیا ہوتا
شب ایسے درد سے رویا میں وقتِ نصیب یار
کہ سینہ صبح کی پوکا بھی پھٹ گیا ہوتا

جب کہ میں نے تو ہے اے بت رعتا کیا خوب
تو وہ طفتاز عجب طنز سے بولا کیا خوب
دھوتے ہیں اشک سے دیوان کو اپنے کمر یاد
مجھ سے پڑھو اے غزل اس کا وہ کہنا کیا خوب

وہ کہتا ہے کہ غزل کہتا ہے فدا فی خوب
ادا ہے خوب زبان خوب اور معانی خوب
کہا تھا ایک دن احوال اس سے تس پر وہ
کہے ہے سب سے کہتے ہیں یہ کہانی خوب
نہ آنے پائے عدد گریں اس کا ہوں دربان
کہ چور چور کی کرتا ہے پاسبانی خوب

گلشن میں تھی خزاں تھے ہمیں خار و خس نصیب
جب آئی فصل گل تو ہوا اب قفس نصیب
تھک کر ہیں دور اب تو پڑے کارواں سے ہم
پھر دیکھیے کہ کب ہو صدائے جبرس نصیب
گلشن میں ہم صغیر تو ہوں نغمہ سنج حیف
بے صبر لوں تڑپتے رہیں ہم قفس نصیب

بجائت نہیں خدا میں آپ
کہ بھلا مجھ سے کیوں خفا میں آپ

کعبہ دل میں روینا میں آپ
نہ خفا مجھ سے ہو تو بے یہ عرض

مانگتے ہیں خدا سے آپ کو سب
میری دانست میں دعا ہیں آپ
کس مسیحا کے دردِ الفت میں
میاں بے صبر مبتلا ہیں آپ

کو بے جاناں سے پٹے اڑاڑ کے کو بے غیریں
خاک ہو کر ہی رہے ہم گہر بلند و گماہ پست
ہنس پڑا وہ دیکھ کر میرے شکست رنگ کو
فتح پاکی حسن نے اور عشق نے کھائی شکست

سرد و قری بے سبب و گل ہیں وہاں دو دو ہم ایک
رشتک سے آتا ہے جی میں ڈالے گلزار کاٹ
اختیاری ہی نہیں مرگ و وصال اے دل تو خیر
جس طرح دن زندگی کے کٹ سکیں ناچار کاٹ
گر تری محفل میں لاؤں میں زباں پر حال دل
شمع ساں میری زباں کو تو دم گفستار کاٹ

تو خفا مجھ سے ہوا کیا باعث
کس لیے دشمن جاں ہے تو گناہ
کیوں دل آزار ہے تو کوئی قصور
بس میں اُس بُت کے جو ڈالا ہے گناہ
کیا جہت کیا ہے سبب کیا موجب
آج وہ لعبتِ چین چین بجبیں
رات بے صبر وہ براہم ناجق
جرم کیا مجھ سے ہوا کیا باعث
کوئی سا مجھ سے ہوا کیا باعث
دل سے یا مجھ سے ہوا کیا باعث
کیا خدا مجھ سے ہوا کیا باعث
تو جب را مجھ سے ہوا کیا باعث
بے خطا مجھ سے ہوا کیا باعث
تاروا مجھ سے ہوا کیا باعث

سننے ہیں اس کے کوچے میں ہے قتلِ عام آج
 گمراہ ہے یہ تو کام ہے اپنا تمام آج
 مڑ کر ادھر کو دیکھو نہیں قربان جاؤں با سے
 نامِ خدا ہے تجھ پہ عجب دھوم دھام آج
 آئے نہ تم جو شام سے لے تا بہ صبح کل
 رویا کیا میں صبح سے لے تا بشتام آج
 دیکھیں قیامت آئے ہے کیا اپنی جان پر
 سینے میں پھر نہیں مرے دل کو قیام آج
 گھبرا یا اس قدر کہ نکل کر چلا ہی تھا
 مشکل سے میں نے دل کو رکھا تھا آج
 وعدہ جو شام کا ہے تو بے تابوں سے ہم
 شامت میں ہیں کہ دیکھے کب ہوگی شام آج
 بے صبر حال اپنا جو دیکھا کمال تنگ
 رونے لگے مسیح علیہ السلام آج

ہوا وارو یکا یک وہ صنم صبح	میرا گھر ہو گیا رشکِ ارم صبح
نہ آیا کھا کر آنے کی قسم صبح	عزیز دے گیا وہ ہم کو دم صبح
یہی سوترِ دیروں شب بھر رہا گم	تو پھر ہوں گے نہ مثلِ شمع ہم صبح
نہ دیکھا شام تک آج اُس کو بے صبر	
اٹھتے تھے دیکھ کر منہ کس کا ہم صبح	

دل کو یا آباد یا تاراج کر
شیخ گر چاہے ہے تو خلدِ برین
گر کیا بھی عشقِ محمود اختیار
جو تجھے کرنا ہو کل سو آج کر
پیروی صاحبِ معراج کر
ترکِ دل سے انسِ تختِ تاج کر

پوچھتا ہے رات آئے تھے یہاں تم یا کہ غیر
بل بے عیاری نہ تھا پاس اُس کے شب کو یا کہ غیر
ہم سے کیوں رکتے ہو محفل میں بھلا کرتے ہیں ہم
کچھ اشارہ کچھ سخن کچھ رمز کچھ ایسا کہ غیر
عاشقِ صادق ہوں میں یا غیر جب پوچھا تو کیا
پھیلنے کو میرے ہنس کر اس نے فرمایا کہ غیر

یا ستم کر یا کرم چاہے سو کر
مار چاہے چھوڑ مجھ کو جیتے جی
بزم میں محروم مت رکھ دے مجھے
کفر یا اسلام کچھ کر اختیار
مار کھاؤں گا پر آنے کی یہاں
اب تو میں شکوہ کروں گا ہو سو ہو
اک غزل تو اور بھی بے صبر تو
چاہتے ہیں تجھ کو ہم چاہے سو کر
میں نہ چھوڑوں گا دم چاہے سو کر
جام سے یا جامِ سم چاہے سو کر
ایک ہے دیر و حرم چاہے سو کر
میں نہ کھاؤں گا قسم چاہے سو کر
ناک میں آیا ہے دم چاہے سو کر
اس زین میں کر رقم چاہے سو کر

ہو گیا شکوہ رقم چاہے سو کر
یا جیوں میں یا مردوں چاہے سو ہو
چل گیا اب تو قلم چاہے سو کر
رحم یا قہر اے صنم چاہے سو کر

دل سے دل سینے سے سینہ لب لب
 مول تو ہے سودلوں کا اک نظر
 مل گئے اب تو نہم چلے سو کر
 اس میں بھی تو بیش و کم چاہے سو کر
 ہوں فدا چاہے ہنسنا چاہے رُلا
 چاہے کبہ و شنام چاہے کبہ سلام
 کر جوابِ خط رقم چاہے سو کر
 صاف اے بے صبر کہہ دے اُس سے آج
 ہاں ترے عاشق ہیں ہم چاہے سو کر

ہو مبارک تجھ کو اے رشکِ چمن پھولوں کا ہار
 میرے پھولوں تک خدا رامت پہن پھولوں کا ہار
 کیوں نہ گل کھائیں، پہن کریاں سے نکلا ہے ابھی
 اک بت بے درو قوم برہن پھولوں کا ہار
 مجھ کو جینے دے کوئی دن مت پہن بہرِ خدا
 اے بلائے دیرو آشوبِ زمن پھولوں کا ہار
 رکھ دیے بے صبر سب مصنوعی یہ تو نے تاکہ پھر
 باندھنے پاویں نہ اربابِ سخن پھولوں کا ہار

دل میں ہیں زخم بے شمار ایک نہ دو نہ تین چار
 سو کہوں یا کہوں ہزار ایک نہ دو نہ تین چار
 اے دل اب اس کے در پہ تو پہنچے گا کب مراد کو
 کتنے ہیں واں امیدوار ایک نہ دو نہ تین چار
 نامِ غزل میں کیا لکھیں نام سے اپنے اس کو ہے
 ننگ ہزار لاکھوں غار ایک نہ دو نہ تین چار

ہے جہاں میں صورتِ اہل زمانہ ہر دم اور
خانہ آئینہ میں ہے اہل خانہ ہر دم اور
گہ حنا گہ غسل ہے گہ خواب گہ کیف شراب
سے وفا سے وعدہ میں اس کو بہانہ ہر دم اور
گہ جگر گہ دل ہے گہ سینہ ہے گہ پہلو غرض
ناوک قاتل کو میرے سے نشانہ ہر دم اور
اس غزل کو پھر پڑھو بے صبر صاحب ایک بار
لطف دیتا ہے کلامِ عاشقانہ ہر دم اور

بت بیدار گرا خدا سے ڈر	نہ ستم مجھ پہ کمر خدا سے ڈر
مجھ سے اسے بندہ خدا اگر تو	منہیں ڈرتا نہ ڈر خدا سے ڈر
بار اول منہیں ڈرا اگر تو	بار سے بار دگر خدا سے ڈر
تیرے ظلموں کو دیکھتا ہے خدا	دیکھ اٹھا کر نظر خدا سے ڈر

حال سن کر کہا کہ بھوٹ نہ بول	قصہ کر مختصر خدا سے ڈر
کر نہ دل کو خراب خانہ خراب	ہے خدا کا یہ گھر خدا سے ڈر

گنہ سے ہے رنج و غم میں اب تو روز	عید ہر دم ہے ہر پہر نور روز
گوہیں ظاہر میں عشق سے تائب	لیک باطن میں ہے تک دور روز
چشمِ وز دیدہ یاد رکھیو کہ ہے	شاہ کا ایک چور کا سو روز
ہنس نہ داغ کہن پہ زخم تر	کہنہ ستاروز ہے نیا نور روز
خواب میں مجھ کو دیتے ہیں صلاح	روح پاکِ امیر خسرو روز

گر رہے جیتے تو دیکھیں گے بہار اگلے برس
 باغ ہے اور ہم صفر اب ہم ہیں اور گنجِ قفس
 پیاسے مجھ کو بلایا میں چلا اٹھ کر تو پھر
 سامنے سب کے خجل مجھ کو کیا کہہ کر کہ بس

کرے محفل میں گردہ مہلقا رقص
 جلائے لاکھ ہر ٹھوکر میں مڑے
 نہ دیکھا ناچ ایسا نئے ستاراگ
 تو ہر ٹھوکر پہ ہر قربانِ پارِ قص
 جب اُس رشکِ سیما نے کیا رقص
 نیا ہی اس کا لغزہ ہے نیا رقص

میں دیکھوں ناچ کب حوروں کا بے صبر
 کہ دیکھا میں نے بیگم جان کا رقص

جمع الاحباب ہے تربت مری
 اُس زمین پر آسماں کو رشک آئے
 قیس و امق حضرتِ فرماؤ، ہسم
 رہتے ہیں آٹھوں پہر محبوب جمع
 جس جگہ ہوں طالبِ مطلوب جمع
 دشتِ حشت میں ہیں سب مجذوب جمع

پرخوف راہ، قافلہ دورا ورتھکے ہیں ہم
 پہنچیں گے کس طریق سے اب کارواںِ تلک
 گذری بہار اور رہے بے صبر ہم اسیر
 صیاد لے گیا نہ قفس گلستاںِ تلک

مجھ منتظر کو راہ دکھائے گا کب تلک
 جانے ہو پئے گا مرا کب تلک طیب
 قاصد تو سچ بتا کہ وہ آئے گا کب تلک
 یعنی دو آئیں مجھ کو پلائے گا کب تلک

مجلس تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
مانند شمع بجھ کو جلائے گا کب تلک

ملا دل اُس کے سے افسوس کیوں ہمارا دل
کہ اپنا شیشے سا اور اس کا سنگِ خارا دل
ہمارے درد کو کیا جانتے ہو آپ لگے
خدا کرے کسی بے درد سے تمہارا دل

کنار میں جسے بے صبر ہم نے پالا تھا
سو ہم سے اب وہی کرے لگا کنارِ دل

اپنا کہہ کہہ کے رو رہا ہے حال
آمد آمد بہسار کی سن کر
اور ہمیں بھی گرا رہا ہے دل
کیسی دھو میں مچا رہا ہے دل
چھوڑ کر کوچہ بلا میں مجھے
اُس کے کوچے میں جا رہا ہے دل
نہیں لگتا ہے دل کہیں بے صبر
کہیں جس دن سے جا رہا ہے دل

سرتاپا دا غدار ہیں ہم
دل ریش، جگر و گار ہیں ہم
گوریا ہم تن بہسار ہیں ہم
گلزار ہیں لالہ زار ہیں ہم
کمیے کچھ ہو شیار ہیں ہم
ایسے بے اختیار ہیں ہم
ہر دم مئے عشق سے ہیں بے ہوش
مرنا بھی نہیں بے اختیاری

ٹھہریں گے لحد میں کس طرح سے
اُس نکل کے جو پاؤں میں پڑے ہیں
گرا لیے ہیں بے قرار ہیں ہم
آنکھوں میں عدو کے خار ہیں ہم

جائیں کیونکر وہاں کریں کیا ہم
مر گئے پر اُداس وہ نہ ہوا
ہم تو ہیں ناتواں کریں کیا ہم
اُس کا اور امتحاں کریں کیا ہم
اور نام و نشان کریں کیا ہم
نہ کریں ترکِ جاں کریں کیا ہم
آمد و رفت وہاں کی ترک ہوئی

ہاے ہاے کس آفت میں گرفتار ہیں ہم
موت آتی نہیں اور زیست سے بیزار ہیں ہم
تنگ ہیں ایسے کہ اک دم کے لیے موت ہمیں
دے کوئی جان کے بدلے تو خریدار ہیں ہم

کچھ نہیں رکھتے ہیں خواہش اور اگر رکھتے ہیں ہم
صرف اک نظارہ منظورِ نظر رکھتے ہیں ہم
کیوں نہ پھر جینے کی رکھیں بعدِ مردن آرزو
آرزوئے مردن بارِ دگر رکھتے ہیں ہم
کہہ نہ دل لے کر کہ مل کر تجھ سے کیا لے گا کوئی
دل اگر رکھتے نہیں ظالم تو سر رکھتے ہیں ہم

کہیں جائے نہ دم نکل اپنا
غنم دنیا و دیں سے فارغ ہیں
دیکھ مت جھک کے سوسے دمِ مرد
جیسے تشریف لائے حضرتِ غم

تیرے غم میں مدام روتے ہیں صبح سے تا شام روتے ہیں
 کون ہیں کیا یہ کرتے ہیں مت پوچھ ہیں تمہارے غلام روتے ہیں
 کہیں جائے مکمل نہ اشک کے ساتھ دل کو ہم تھام تھام روتے ہیں

ہاے رے کیا کیجیے اٹھتے نہیں ہیں بلے
 اور ہم کچھ اُن سے اپنا مدعا کہنے کو ہیں
 عزم کو سے یار گر تجھ کو ہے نواک دم ٹھہر
 ہم بھی کچھ پیغام تجھ سے اے صبا کہنے کو ہیں

یہ جاتے زخم اپنے دل سے کب ہیں
 نمک پر وردہ اپنے بھی یہ سب ہیں
 ہیں جس جس جا پر اس کے نقطہ خال
 وہ اعضا سب بدن میں منتخب ہیں
 جلا لے جتنا چاہے ہم کو جوں شمع
 تری محفل میں بہاں شب کے شب ہیں
 ترے مجرم ترے مجرم کے مجرم
 نہ تجھے مجرم ترے جب ہم نواک ہیں

رہتے ہیں منتظر ترے لاکھوں ہی راہ میں جانے فسوں ہے کیا تری کافر نگاہ میں
 ہم نے شراب کھینچی ہے کعبے میں بیٹھ کر بے اس قدر ثواب بھی اپنے گناہ میں
 جب سنتے ہیں کہ واں چلا ہے بغیر شوق قاصد جا کے ملتے ہیں ہم ادھی راہ میں

تیری فرقت میں آہ مرتے ہیں بخدا بے گناہ مرتے ہیں
 مرضِ عشق میں طیبو ہم تم بھی رست گواہ مرتے ہیں
 اُس لب و چشم کے تصور میں گاہ جیتے تھے گاہ مرتے ہیں

قتلِ عالم کو کرے بیٹھے ہیں پھر بھی غصے میں بھرے بیٹھے ہیں
 کیا خبر ہو مرے مرنے کی اُسے سینکڑوں اُس پرے بیٹھے ہیں

تھے بہت عاشقِ حریں ہم سے نہ رہا کوئی ان عزیزوں میں
 غیر سے قرب و منزلت پہ نہ بھول تھے کبھی ہم بھی یوں قزبوں میں
 یوں ادھر گھیرتے ہیں غیر کہ جوں ایک گل لاکھ غنڈ لیوں میں

کیا ہے ابرو کو طاق سے نسبت ایسا خم تو طال میں بھی نہیں
 گردِ ششِ چشمِ یار کیا کہیئے ایسا رم تو غزال میں بھی نہیں

میں بلند آواز گئے ہر جگہ مانوس ہوں
 ہوں اذان مسجد میں اور بت خانے میں ناقوس ہوں
 گرجہ میں زنداں میں ہوں ہے بیک دل صحرانورد
 قیدِ سستی میں برنگِ بوسے گل مجوس ہوں

دم میں ہاں کہتے ہو اور دم میں نہیں آپ سادہ باز عالم میں کہیں
 جم گئے آنکھوں میں ایسے بختِ دل جس طرح بے بہر خاتم میں نیکیں

کچھ نہیں جانتے ہیں ہم اور اگر جانتے ہیں
جان پہچان کی نادانیاں کر جانتے ہیں
بے تکلف چلے آنا چلے جانا اب تو
آپ کے گھر کو بھی غیر اپنا ہی گھر جانتے ہیں
ہم سبک روح جو گھوڑے سے یہ ہوا کے ہیں سوار
ہاں سے جانے کو اک دم کا سفر جانتے ہیں

شو کوئی کو اب فراغ کہاں	میں کہاں دل کہاں دماغ کہاں
جس گردِ اغدار سے بس ہے	دل میں اب حرصِ سیرِ باغ کہاں
شعلے نکلے ہیں سنگِ قبر کو توڑ	میری تربت پہ ہے چراغ کہاں

دمِ ناصح ہے بند اک شورِ وحشت ہے زلزلے ہیں
سُنے ہے کون طوطی کی صدِ انقارِ خانے میں
دلا کب خانہ داری مانعِ یادِ الہی ہے
کہ اڑتا طائرِ قبلہ نما ہے آشیانے میں
جو میں بے صبر دریا دل، نہیں سرمایہ پاس اُن کے
کہ خوار ہے کے، سیم و زر نہیں ہوتا ہزانے میں

گیا صیادِ بے پروا لگا اک تیر سینے میں
تڑپتا رہ گیا مرغِ دل ولگیرِ سینے میں
کچھ ایسی بندھ گئی ہے ٹھنڈی سانسوں کی ہوا دل میں
کہ رہتا ہے ہمیشہ ان دلوں کشمیرِ سینے میں

اے غنہ لیب تجھ سے میں کس طور مات ہوں
 گر ڈال ڈال تو ہے تو میں پات پات ہوں
 زلف اُس کے قد سے کہتی ہے کر کے برابری
 گرمی کا تو ہے دن تو میں جاڑوں کی رات ہوں
 آئینہ دیکھ کر ہوا ثابت مجھے کہ میں
 نقشِ بر آب کی ہی طرح بے ثبات ہوں

اس کے وعدے کو تمنا ہے وفا کی ان دنوں
 ہے اجابت منتظر اپنی دُعا کی ان دنوں
 آمد و رفت اُس گلی میں ہے صبا کی ان دنوں
 ہم تو کیا سننے نہیں وہ بادشا کی ان دنوں
 دیکھتے ہیں ہم بتوں میں قدرت موت و حیات
 ہم کو آتی ہے نظر قدرت خدا کی ان دنوں
 دولت افلاس الفت نے کیا عالم غنی
 خاک میں قیمت ملا دی کیمیا کی ان دنوں

گئے خرامِ ناز کے ہے دست بستہ کبک
 رہنے تمہاری چشم کے توڑے بہن کے پاؤں
 باغِ اپنی جاں سے دھوکے وہ لایا نچوڑ کے
 شیروں نے یوں نہ دھوکے پئے کوئین کے پاؤں
 مرثا چمن نے زیست سے اپنے اٹھایا باغ
 جس دم رکھا شکہ ری نے اندر چمن کے پاؤں

دشت جنوں میں پھرتا ہوں جو خاک چھانتا
کانٹوں سے چھلنی ہو گئے ہیں میرے چھن کے پاؤں
پہنچانہ رستے کو مری سرگشتگی کے وہ
گو پھرتے پھرتے تنکائے چرخ کہن کے پاؤں

آئینہ منہ لگا ہے دیکھو تو	آپ کو دیکھتا ہے دیکھو تو
دیکھنا دیکھنا ہے دیکھو تو	لگا کہنے کہ آپ کا اک روز
جلوہ گر جا بجا ہے دیکھو تو	وہ بت خود نما، میاں بے صبر

شکوہ کرنا مگر سکھاتے ہو	ہمت شکوہ جو لگاتے ہو
روز بایں ہی تم بناتے ہو	کبھو آتے ہو اور نہ جاتے ہو
اپنے سر کی قسم دلاتے ہو	سر تو حاضر ہے کاٹ لو کیوں تم
کہہ نہاتے ہو کہہ رلاتے ہو	موسم گل میں مثل برق و حباب

کہتی ہے چشم خوب رو جانے بلا جو ہو سو ہو
شرق سے غرب تک ڈلو جانے بلا جو ہو سو ہو
جس کو مزا ہے عشق کا کہتا ہے یہ وہ بر ملا
جانے بلا جو ہو سو ہو جانے بلا جو ہو سو ہو
سوزش طرزِ شعر سے پائیں گے اس کو اہل عقل
نام غزل میں ہونہ ہو جانے بلا جو ہو سو ہو

اس دل نے کیا خراب مجھ کو
 باہر ہوں میں اپنے آپ سے ہی
 کیا تاب بے کمر سکوں جواب صبر
 اے مرگ نہ مجتنب ہو مجھ سے
 دکھائے نہ کیا عذاب مجھ کو
 یاں تک ہے اضطراب مجھ کو
 نے صبر ہے اور نہ تاب مجھ کو
 ہے زیست سے اجتناب مجھ کو

اس طرف کو بھی او خود آرا دیکھ
 خواہشوں کے جوم سے ہوں میں تنگ
 دیکھ او خود منسا خدا را دیکھ
 صحن گلشن میں اُس کو تنہا دیکھ

ایک خونی کفن ہے سو سفاک
 خواب میں تو ہماری آجباؤ
 یہ تو دولہ ہے اور ریت ہے یہ
 دیکھتا کون ہے کہ رات ہے یہ

چاہیے کیا مجھ کو اگر چاہیے
 چاہ نہ اے دل بت سفاک کو
 عین عنایت کی نظر چاہیے
 زخم کے کھانے کو جگر چاہیے
 چاہیے خوابوں کو ستم، رحم بھی
 تھوڑا بہت چاہیے پر چاہیے

دیکھ اس کو یم آنکھوں نے بہایا میرے آگے
 جو میں نے کیا تھا وہی آیا میرے آگے
 جب منہ سے نقاب اُس نے اٹھایا میرے آگے
 اک نور کا عالم نظر آیا میرے آگے
 وہ مہر و شمس آیا جو منسا تھا میرے پیچھے
 تھا نورِ جسم مرا سایا میرے آگے

ہے سویدا جو داغ کے نیچے ہے اندھیرا چراغ کے نیچے
چشم پر ہم میں ہے دل پر داغ نہر جاری ہے باغ کے نیچے
بستر گل پہ ہے وہ رشکِ چمن باغ پھولا ہے باغ کے نیچے

میرے اور اپنے کھنچے دیکھے جو پیکرِ روبرو
بیچ سے دو ٹکڑے اس نے کر دیئے تصویر کے
فصل گل کے آتے ہی یاں تکھا جوشِ جنوں
لاکھ ٹکڑے ایک جھٹکے میں ہوئے زنجیر کے
فیض اس کا گرنے سے بے صبر ہو گا دست گیر
روزِ محشر ہم گریباں گیر ہوں گے میر کے

ہل نہ سکتا تھا جو بیمار اس کو صحت ہو گئی
اٹھ گیا دنیا سے آج اس کی یہ طاقت ہو گئی
آمد و رفت اس گلی میں تھی سو رفتہ رفتہ اب
ہر دم از خود رفتگی کی مجھ کو عادت ہو گئی

سنگ در پر ترے سرواڑا یہاں تک کہ ہزار
سنگ کے مرنے کیے سنگ تھے سر کے ٹکڑے
دھوپ میں روزِ قیامت کے بھی سوکھیں کھو
اس قدر تر ہیں میرے دامن تر کے ٹکڑے

ہم جل گئے اور وہ بے خبر ہے
 اف آج تو دیکھو ادھر کو
 روتے ہیں سب اپنے اپنے گھر کو
 بے خبر وہ تیرہ روزہوں میں

الٹامری آہ میں اثر ہے
 کچھ روز ہی عالم آپ پر ہے
 رونے پہ جو اپنی چشم تر ہے
 اوروں کی شب اور مری کر ہے

ہر دم جو تیرے ہاتھ میں شمشیر و سپر ہے
 بے چاری اجل بھی تری اب ست نگر ہے
 شب سے جو مرے قتل کی داں عام خبر ہے
 ایک خلق ہوئی جمع ادھر اور ادھر ہے
 گر ہے سرے جرم کشی آپ کو تو پھر
 کیا دیر ہے اچھے کہ یہ خبر ہے یہ سر ہے

دوستو جس روز ہم مرجائیں گے
 آپ مجھ کو مار کر پھٹائیں گے
 مارے جاویں تو بلا سے مارے جائیں
 اشک سے بہہ جائے گی ساری زین
 قبر میں صحر کہاں سے آئے گا
 وقتِ مردن بھی نہ دیکھا اُس کا منہ

زیست گویا از سر نو پائیں گے
 کیونکہ مجھ سا پھر نہ عاشق پائیں گے
 اُس گلی میں جائیں گے مرجائیں گے
 آہ سے تو آسماں جل جائیں گے
 ہائے ہم دیوانے و ان گھبرائیں گے
 کیا خدا کو جا کے منہ دکھلائیں گے

شوق دیدار ہوا چاہے ہے
 کھینچ کر مانی چیں نقش اُس کا

دل گرفتار ہوا چاہے ہے
 نقشِ دیوار ہوا چاہے ہے

گرم کے اقرارِ نظر کے سوسے غیر شاید انکار ہوا چاہے ہے
گرم بازاری رُسوائیِ دل سرِ بازار ہوا چاہے ہے

زخمِ مجھ پر نہیں کرتا کوئی نہیں اللہ سے ڈرتا کوئی
سالکانِ رہِ الفت میں قدم مجھ سے آگے نہیں دھرتا کوئی
شورِ وحشت جو نہ چڑھتا آشنا دل سے اس کے نہ اترتا کوئی
تیغِ جانِ بخش کا اُس کے کشتہ تا قیامت نہیں مرتا کوئی

سب مری نفس لیے جاتے ہیں ماتم کرتے
تم بھی در تک نکل آؤ ذرا چھم چھم کرتے
بے خطا مجھ پہ جفا آپ ہیں بروم کرتے
جانے کیا کرتے اگر کچھ بھی خطا ہم کرتے

گرہ بندِ قبا کی اُس نے واکی یکایک کھل گئی قسمتِ صبا کی
ہوئے ہیں کوئے جاناں میں فنا ہم قسم ہم کو شہیدِ کربلا کی

گر میرا کام تری تیغِ کمر سے نکلے
کیونکہ عشقِ فانی مرے بیضہ سر سے نکلے
اُس خجل کو تری محفل میں کرے گل وہ اگر
شمع کا کام بھی پروانے کے پر سے نکلے
خوب نکلی تیرے بے صبر کی صحرائیں ہوس
پاؤں میں خار لگے ایسے کہ سر سے نکلے

وہ جو جا کر سفر کو بیٹھ رہے
کچھ بھی پایا نہ درد کا باعث
روتے روتے گیا ہے آخر بیٹھ
ہم ترس کر خبر کو بیٹھ رہے
چیر کر ہم جس کو بیٹھ رہے
روکے ہم اپنے گھر کو بیٹھ رہے

نہ کسی یار سے نہ ہمدم سے
ہم رہیں کس طرح سے خرم سے
ذکر کیا ہے قیاس تو کیجئے
جو ملا گلِ رخوں سے دی یارو
دوستی اب تو ہے فقط غم سے
تم تو کہتے ہو ہم سے بزم سے
مدعی اور مقابلہ ہم سے
سب نے تشبیہ اُس کو شبنم سے

تیرے در پہ ہم آج آویں پراویں
نہ کیا کیا اٹھائے غم ورنجِ تم بن
شب وعدہ کے گزر چاروں پہریوں
بلا سے اگر جان جائے تو جائے
غم ورنجِ بن تم نہ کیا کیا اٹھائے
اب آئے اب آئے اب آئے اب آئے

کس ادا سے دیکھ پیچھے مجھ کو آتا جائے ہے
گھورتا لب کاٹتا توڑے چڑھاتا جائے ہے
بل بے نفرت اُترے استغنا کہ میری خاک سے
کیسا ہٹتا پھٹتا اور دامن اٹھاتا جائے ہے
اپنے استغنا کا کہتا جائے ہے خوابوں سے حال
ہم کو وہ بے صبر در پردہ سنا تا جائے ہے

خوشنید اُس کو دیکھ کے کب یہ تاب ہے
چہرے پر اُس کے نور سے اُس کے نقاب ہے

ایک آدمی کی جان حزیں پر عذاب ہے
 تلوار کھینچ جسد کہ کارِ ثواب ہے
 دل مل رہے ہیں پر مہنیں کر سکتے گفتگو
 ہم کو ادھر ادب ادھر اس کو حجاب ہے

اس طرح پی کے وہ شراب چلے
 یوں وہ پردے میں پھرتے چلتے ہیں
 اس کے کوچے میں ہونے کو کھامز
 اس طرح صبرِ دل میں آتا ہے
 جوش میں اپنے جیسے آپ چلے
 جیسے بدلی میں آفتاب چلے
 آج جاتے ہیں شیخ و شاب چلے
 چور جوں پاؤں دا بے اب چلے

بے قراری سی بے قراری ہے
 ہم نے مرنا بھی اختیار کیا
 موسمِ رعد و برق و باران میں
 صفتِ بے صبریاں تاکتے کہ اب
 کہ زمیں زلزلے میں ساری ہے
 لیک وہ بھی نہ اختیار ہے
 شغلِ فریاد و آہ و زاری ہے
 زندگانی بھی مجھ کو بھاری ہے

میرے کینے سے سینہ صاف کیجے
 بڑے بد خلق بد خو بد گماں ہو
 مرا تارِ نظر ہے نذرِ کاکل
 نہ کہیے کیا کروں گھر تیرے اگر
 خدا کے واسطے انصاف کیجے
 کہاں تک آپ کے اوصاف کیجے
 پسند آجائے تو موباف کیجے
 غزل کو اپنی کوہِ قاف کیجے
 عنایت کیجے الطاف کیجے
 میاں بے صبر باندھو قافیہ سخت

بعدِ مردن بھی ہے رفاقت میں غم ملا ہے عجب رفیق مجھے
 راہ میں اُس کے کیوں نہ بیٹھ رہوں خوش بھی آیا ہے طریق مجھے
 صفت سے برگِ کاہِ خشک میں ہیں دیدہ تر نہ کر عنسِ رقیق مجھے
 دُرِ نایاب ہیں میرے مضمون جانِ زاکِ تسلیمِ عینِ حق مجھے

پاس آئے ذرا نہ مقامِ ہر اس ہے خدمت میں آپ کی مجھے کچھ التماس ہے
 پاس آسکے رقیبِ دور از قیاس ہے پر کیا کروں مجھے تری خاطر کا پاس ہے

ناچیز میں رہا ہوں اگرچہ ہوں کچھ میں چیز
 وہ چیز ڈھونڈتا ہوں جو چیز اپنے پاس ہے
 بے جبر مر گیا تو بلا سے فدا ہوا
 ابھی میں بلا میں ہوں تری تو کیوں اُداس ہے

بسکہ ڈرتا ہوں میں جدائی سے بھاگتا ہوں میں آشنائی سے
 کیا جدائی کا ڈر ہے جبکہ مجھے آشنائی ہے آشنائی سے

نا توانی کی بھی گرائی ہے اس قدر مجھ کو نا توانی ہے
 ہم نے پایا ہے تن میں گوہرِ فات مدتوں جب کہ خاک چھانی ہے

ہر طرف سے اب ترے عاشق کے اوپر وار ہے
 تیرے ہی تیسرا اور تلوار پر تلوار ہے

میرا سر ہے وار پر سر عاشقوں کا خاک پر
 شکر ہے سارے سروں کا میرا سر سردار ہے
 داغ داغ اپنا جگر ہے دل ہمارا ریش ریش
 بندہ رشک لالہ زار و غیرت گلزار ہے
 کیا کروں جاؤں کہاں کس سے کہوں بے صبر حال
 نے کوئی مونس ہے میرا نے کوئی غم خوار ہے

زندگانی کی مجھے صورت نظر آتی نہیں	شب جدائی کی معاذ اللہ کیا تاریکی ہے
آرزو کر ترک تا وہ درکتا ہو نصیب	بے طلب موتی ملے مانگے نہ ملتی بھیک ہے
دلربا دل سے میرے گل سے بڑنگا بڑے گل	دور ہے دور اور نزدیک ہے نزدیک ہے

انتہا ضعف کی ہے صاف نمایاں مجھ سے
 رمق جاں میں مرا جسم ہے پنہاں مجھ سے
 شور ہے وہ نہ وہاں اور نہ یہاں وہ سنان
 شہر ویران ہے، آباد بیاباں مجھ سے
 بسکہ مشکل کو سمجھ رکھتا ہے میں نے آسان
 مشکلیں کرتے ہیں حل اپنے خود آسان مجھ سے
 دامن دشت ہے اور پھر مرا پا سے وحشت
 پھر ہوا جوشِ جنوں دست و گریباں مجھ سے
 شب تنہائی میں بے صبر بقولِ غالب
 سایہ خورشید قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

مطبوعاتِ کالی داس گیتارِ رضا

- ۱۔ شعلہ خاموش (مجموعہ کلام)
- ۲۔ شورشِ پنہاں ()
- ۳۔ شاخِ گل ()
- ۴۔ اُجالے (نعتیہ کلام)
- ۵۔ گیت اور بھجن
- ۶۔ شعورِ غم (رثائی کلام)
- ۷۔ شعاعِ جاوید (رباعیات)
- ۸۔ دی سائلنٹ فلم (انگریزی)
- ۹۔ اوڈیو ایسٹ ونڈ ()
- ۱۰۔ غزلِ گلاب (غزلیات)
- ۱۱۔ نظمِ سمندر (نظمیں)
- ۱۲۔ قدسی الہ آبادی اور نعت قدسی
- ۱۳۔ ہندوستانی مشرقی افریقہ میں
- ۱۴۔ علی سردار جعفری اپنی بہنوں کی نظر میں
- ۱۵۔ سہود سراغ
- ۱۶۔ فرہنگِ عارفان
- ۱۷۔ بہارِ اردو گلشنِ مشرقی افریقہ میں
- ۱۸۔ منشوراتِ جوش ملیح آبادی
- ۱۹۔ مکتوباتِ جوش ملیح آبادی
- ۲۰۔ جوش ملیح آبادی مع انتخابِ کلام
- ۲۱۔ چکیت اور رباعیاتِ چکیت
- ۲۲۔ کلیاتِ چکیت
- ۲۳۔ مقالاتِ چکیت
- ۲۴۔ چکیت۔ کچھ بازوید کچھ پیش رفت
- ۲۵۔ انتخابِ آتش و غالب از چکیت
- ۲۶۔ متعلقاتِ غالب
- ۲۷۔ آبِ حیات میں ترجمہ غالب
- ۲۸۔ دغائے صباح
- ۲۹۔ غالبیات چند عنوانات
- ۳۰۔ دیوانِ غالب (۱۸۳۱ء عکسی)
- ۳۱۔ دیوانِ غالب (۱۸۶۲ء عکسی)
- ۳۲۔ دیوانِ غالب کامل تاریخی ترتیب سے
- ۳۳۔ دیوانِ غالب متداول تاریخی ترتیب سے
- ۳۴۔ غالب درونِ حسناء
- ۳۵۔ غالب کی بعض تصانیف
- ۳۶۔ پنج آہنگ میں مکاتیبِ غالب
- ۳۷۔ غالبیات چند شخصی اور غیر شخصی حوالے
- ۳۸۔ اسد اللہ خان غالب مرثیہ
- ۳۹۔ غالب کا ایک مشاق شاعر
- ۴۰۔ بالکل بے ہمت۔ حیات اور انتخابِ تصانیف
- ۴۱۔ غالبیات۔ کچھ مطالعے اور مشاہدے
- ۴۲۔ انتخابِ رقعات و اشعارِ غالب